www.cpsglobal.org

الرسالہ

Al-Risala

January 2021 • Rs. 30

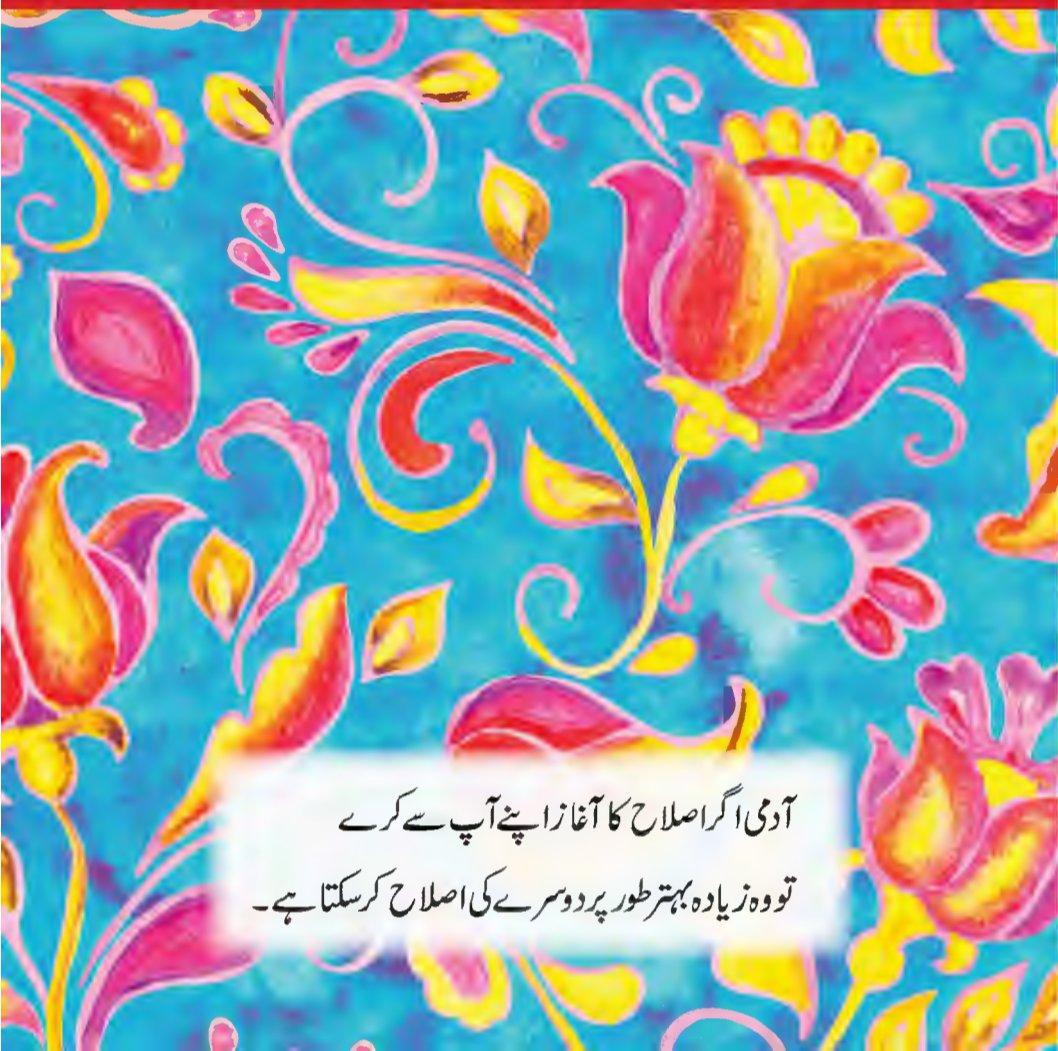

آدمی اگر اصلاح کا آغاز اپنے آپ سے کرے
تو وہ زیادہ بہتر طور پر دوسرے کی اصلاح کرسکتا ہے۔

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

ڈائری سے انتخاب

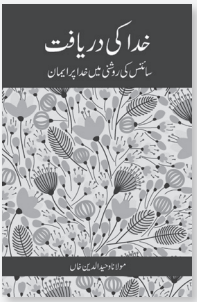

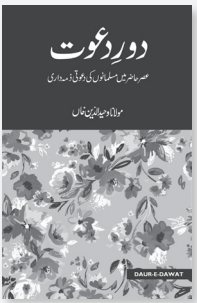

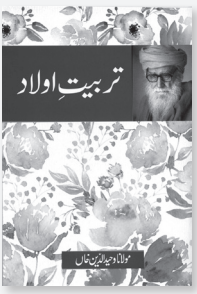

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

January 2021 | Volume 46 | Issue 1

Al-Risala Monthly
1, Nizamuddin West Market
New Delhi 110013
Mobile: +91-8588822679
Tel. 011-41827083
Email: cs.alrisala@gmail.com

Annual Subscription Rates

Retail Price	₹ 30 per copy
Subscription by Book Post	₹ 300 per year
Subscription by Regd. Post	₹ 400 per year
Subscription (Abroad)	US $20 per year

Bank Details
Al-Risala Monthly
Punjab National Bank
A/c No. 0160002100010384
IFSC Code: PUNB0016000
Nizamuddin West Market Branch

Paytm
Mobile: 8588822679

To order books by Maulana Wahiduddin Khan,
please contact Goodword Books
Tel. 011-41827083, Mobile: +91-8588822672
Email: sales@goodwordbooks.com

Goodword Bank Details
Goodword Books
State Bank of India
A/c No. 30286472791
IFSC Code: SBIN0009109
Nizamuddin West Market Branch

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of Al-Markazul Islami, New Delhi. Printed at Tara Art Printers Pvt. Ltd., A46-47, Sector 5, Noida-201301. Published from 1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013 Editor: Saniyasnain Khan. Total Pages:52

مولانا عبدالرشید ندوی نے ایک دلچسپ واقعہ بتایا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ایک بڑے دینی ادارے کا ایک وفد برما گیا۔ اس وفد میں کئی بڑے علما اور دوسرے بڑے مسلم رہنما شامل تھے۔ اُس زمانے میں ہندستان کے دینی ادارے چندہ (donation) کے لیے برما اور ملایا (Malaya) جایا کرتے تھے۔

اس وقت ہندستان کے لوگ کثیر تعداد میں وہاں رہتے تھے، لیکن ان میں اکثریت بدعتی خیال لوگوں کی تھی۔ یہ وفد جب رنگون پہنچا تو ان لوگوں نے پوسٹروں وغیرہ کے ذریعے خوب مشہور کیا کہ یہ وہابی ہیں، یہ کافر ہیں، وغیرہ۔ ان کو ہرگز چندہ نہ دیا جائے۔ جو چندہ دے گا وہ گنہ گار ہوگا۔ بدعتی طبقہ کے پروپیگنڈوں سے فضا بہت خراب ہوگئی۔

تاہم جلسہ کیا گیا۔ سب سے پہلے ایک مقرر آئے۔ ان کے نام میں سلیمان لگا ہوا تھا۔ وہ بہت خوش بیان مقرر تھے۔ انھوں نے کہا کہ بھائیو، اور لوگوں کو تو تم جانو اور وہ جانیں۔ مگر جہاں تک میرا تعلق ہے تو میرے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں پہلے ہی براءت اتار دی ہے۔ چنانچہ قرآن میں یہ آیت (2:102) موجود ہے:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا

یعنی سلیمان نے کفر نہیں کیا، بلکہ یہ شیاطین تھے جنھوں نے کفر کیا۔ وہ بہت خوش گلو تھے۔ انھوں نے قرآن کی آیتیں پڑھیں۔ مولانا روم (1207-1273ء) کے اشعار سنائے۔ اب فضا بالکل بدل گئی۔ آخر میں انھوں نے لوگوں کو کھڑا کر کے سلام پڑھوایا۔ اس کے بعد بالکل تصدیق ہوگئی کہ یہ لوگ ''وہابی'' نہیں ہیں۔ اس کے بعد رنگون میں خوب چندہ ہوا۔ تیرہ لاکھ روپیے جمع ہوئے۔ لوگوں کی مایوسی دوبارہ خوشی میں تبدیل ہوگئی۔

عوامی مقبولیت حاصل کرنے میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو اس قسم کے الفاظ بولنا جانتے ہوں۔ تاہم یہ مقبولیت وقتی ہوتی ہے۔ نیز اس کے ذریعہ کوئی گہرا تعمیری کام نہیں کیا جاسکتا۔

063

علم حساب کے ایک ماہر نے کہا ہے:

I can prove anything by statistics— except the truth.

یعنی میں حساب اور شماریات کے ذریعے ہر چیز کو ثابت کرسکتا ہوں سوائے سچائی کے۔ شماریات کا علم موجودہ زمانے میں بہت ترقی کر گیا ہے۔ شماریات کی زبان میں کوئی بات کہہ دی جائے تو سمجھا جاتا ہے کہ اس کو واقعہ کی زبان میں کہہ دیا گیا۔ حالاں کہ یہ محض گنتیوں کا ایک شعبدہ ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شماریات سے ثابت شدہ چیز کا حقیقتِ واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کوئی چیز گنتی کی زبان میں ثابت ہوجائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حقیقت کے طور پر بھی ثابت ہوگئی۔

064

ایک صاحب دفتر میں تشریف لائے۔ انھوں نے کہا کہ میں الرسالہ میں مضمون شائع کروانا چاہتا ہوں۔ اس کی کیا شرائط ہیں۔ میں نے کہا: آپ دس سال عربی پڑھیے۔ دس سال انگریزی پڑھیے۔ دس سال لکھنے کی مشق کیجیے۔ اس کے بعد آپ کا مضمون الرسالہ میں شائع ہوجائے گا۔ اس کو سن کر وہ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے اور پھر اٹھ کر چلے گئے۔

آج کل مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ محنت کیے بغیر نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور محنت کے بغیر کسی نتیجہ کا اس دنیا میں ملنا ممکن نہیں ہے۔ لکھنا مشکل ترین آرٹ ہے۔ مگر مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ جو شخص بھی قلم پکڑنا جانتا ہو، وہ سمجھتا ہے کہ میں لکھنا بھی جانتا ہوں۔ چنانچہ غیر معیاری مضامین اور غیر معیاری کتابوں کی بھرمار ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس، معیاری کتابیں بہ مشکل ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔

065

ایک صاحب نے بتایا کہ ان سے کسی نے میرے بارے میں کہا کہ ان کا کیا کہنا ہے۔ وہ تو اب فلاں صاحب کے ٹکر کے ہوگئے ہیں، یعنی مادی اعتبار سے۔

کیسے عجیب ہیں وہ لوگ جو آدمی کو اس سے ناپتے ہیں کہ اس کے پاس بلڈنگ اور کار وغیرہ ہے یا بلڈنگ اور کار نہیں وغیرہ ہے۔ میرے نزدیک یہ سادہ سی بات نہیں ہے۔ یہ دراصل دوزخ کی اصطلاحوں میں سوچنا ہے۔ ایسے لوگ دوزخ کے مومنین ہیں۔ اگرچہ خوش فہمی کے تحت وہ اپنے آپ کو جنت کے مومنین میں شمار کرتے ہیں۔

066

ایک عیسائی پادری تشریف لائے۔ ان کا نام اور پتہ درج ذیل ہے:

REV John, Preacher in Church of God, Sector 33, Chandigarh

دوران گفتگو میں نے کہا کہ مسیحیت کا بنیادی عقیدہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ کفارہ۔ میں نے کہا کہ آپ لوگ کفارہ کو بنیادی عقیدہ کہتے ہیں حالاں کہ وہ موجودہ انجیل میں کہیں واضح طور پر موجود ہی نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہے۔ میں نے انھیں انجیل کا انگریزی ترجمہ دیا کہ نکال کر بتائیے کہ کہاں ہے۔ وہ تقریباً آدھ گھنٹہ انجیل کے اوراق الٹتے رہے۔ بالآخر اس کا ایک صفحہ نکالا۔ میں نے کہا کہ یہ محض آپ کی تاویل ہے۔ ورنہ اس عبارت سے براہِ راست طور پر کفارہ کا عقیدہ نہیں نکلتا۔ کیسی عجیب ہے موجودہ مسیحیت کہ اس کا بنیادی عقیدہ ہی انجیل کے عبارت النص میں موجود نہیں۔

اس کے برعکس، اگر آپ کسی مسلمان سے پوچھیں کہ قرآن کا بنیادی عقیدہ کیا ہے، تو وہ فوراً کہے گا کہ توحید۔ اس کے بعد اگر آپ پوچھیں کہ توحید کا عقیدہ کس آیت سے نکلتا ہے تو وہ فوراً پڑھ دے گا: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (112:1)۔ کتنا فرق ہے، محرّف دین میں اور غیر محرف دین میں۔

067

ایک صاحب سنگاپور سے تشریف لائے۔ انھوں نے بتایا کہ وہاں مسجدوں میں لاؤڈ اسپیکر سے اذانیں ہوتی ہیں۔ اس سلسلے میں وہاں کے غیر مسلم حضرات میں ناراضگی پیدا ہوگئی۔ خاص طور پر عشا اور فجر کی اذان کے متعلق ان کا مطالبہ ہے کہ اس کو لاؤڈ اسپیکر پر دینا بند کیا جائے۔ اس سلسلے میں سنگاپور کے بدھسٹ وزیر اعظم نے اپنی ایک تقریر میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آپ

کی آزادی یہ ہے کہ آپ رات کے آخری حصے میں اذان دیں۔ میری آزادی یہ ہے کہ میں اس وقت اچھی نیند حاصل کروں:

Your freedom is to call Azan in the late hours of the night. My freedom is to have a good sleep at that time.

اس طرح کے واقعات کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور جدید انسان میں ٹکراؤ پیدا ہو گیا ہے، اور چونکہ جدید انسان طاقتور ہے۔ اس لیے اب اسلام کو باقی رکھنے کی شکل صرف یہ ہے کہ اسلام کو میدان سے ہٹا دیا جائے۔ حالاں کہ یہ قیاس سراسر غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو ٹکراؤ پیدا ہوا ہے، وہ جدید انسان اور ''لاؤڈ اسپیکر'' کے درمیان ہے، نہ کہ جدید انسان اور اسلام کے درمیان۔

068

1984 میں سابق وزیر اعظم ہند، مسز اندرا گاندھی (پیدائش 1917) کے حکم کے تحت امرتسر میں واقع سکھوں کی مذہبی عبادت گاہ ہرمندر صاحب (گولڈن ٹیمپل) میں فوجی کارروائی کی گئی۔ اس فوجی کارروائی کو آپریشن بلو اسٹار (Operation Blue Star) کہا جاتا ہے۔ سکھوں کے نزدیک یہ ان کے مقدس مقام کی بے حرمتی کے ہم معنیٰ تھا۔ چنانچہ سکھوں کا طبقہ ان سے ناراض ہو گیا۔ یہاں تک کہ کچھ انتہا پسند سکھوں نے انھیں 31 اکتوبر 1984 کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے بی بی سی ریڈیو نے کہا تھا:

(The assasination of Mrs Indira Gandhi by Sikh youths) has effectively nullified Maneka Gandhi as a political force. Moreover, this murder has triggered of "a wave of sympathy" in favour of Rajiv Gandhi.

مسز گاندھی کے قتل نے مینکا گاندھی کو بحیثیت سیاسی طاقت کے بالکل ختم کر دیا۔ مزید یہ کہ اس کے بعد راجیو گاندھی کے حق میں ہمدردی کی زبردست لہر پیدا ہو گئی ہے۔ جن لوگوں نے مسز اندرا گاندھی کو قتل کیا تھا انھوں نے بطور خود یہ سمجھا تھا کہ وہ اندرا فیملی کو سیاست کے میدان سے ہٹا رہے ہیں۔ مگر اسی قتل کے بعد اندرا فیملی مزید طاقت کے ساتھ سیاست کے میدان میں واپس آ گئی۔

آٹھویں الکشن (1984) میں کانگریس کو ہمیشہ سے زیادہ لوک سبھا کی سیٹ ملی، یعنی کل 401۔
غیر دانش مندانہ اقدام کا نتیجہ اکثر الٹا نکلتا ہے، اور مذکورہ واقعہ الٹا نتیجہ نکلنے کی ایک عبرت ناک مثال ہے۔

069

سوامی پورن جی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو گرو ہیں۔ وہ یورپ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ایک سفر کے دوران روم سے دہلی تک ہوائی جہاز میں ان کا ساتھ رہا۔ اس کے بعد ان کے کئی ٹیلیفون آئے یہاں تک کہ مندرجہ ذیل مقام پر ان سے ملاقات ہوئی :

Suit 2025, Hotel Sentaur, New Delhi

میں نے سوامی پورن جی سے کہا کہ آپ کے نزدیک سچائی کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سچائی کوئی ایک معلوم چیز نہیں۔ میں نے کہا کہ جب سچائی کوئی ایک معلوم چیز نہیں تو آپ اپنے سفروں میں کس چیز کا پرچار کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں لوگوں کو یہ نہیں بتاتا کہ سچائی کیا ہے۔ میں یہ بتاتا ہوں کہ وہ کون سا پراسس ہے جس کو فالو (follow) کرکے تم سچائی تک پہنچ سکتے ہو۔
میں نے دوبارہ ان سے سوال کیا کہ سچائی اگرچہ آپ کے نزدیک معلوم چیز نہیں مگر آپ کے بیان کے مطابق سچائی کا پراسس ضرور ایک معلوم چیز ہے۔ جبھی تو آپ اس کا پرچار کرتے ہیں۔ پھر آپ کے نزدیک وہ کرائٹیرین (criterion) کیا ہے، جس پر جانچ کر ہم یہ معلوم کرسکیں کہ آپ کا تجویز کردہ پراسس درست ہے۔ سوامی جی اس کا کوئی واضح جواب نہ دے سکے۔ کچھ دیر گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں ان کو الرسالہ انگریزی پیش کیا گیا۔

070

انڈیا کے ایک عالم دین لندن کی ایک مسجد میں امام ہیں۔ وہ لندن جاتے ہوئے مجھ سے ملنے کے لیے آئے۔ گفتگو کے دوران انھوں نے کہا کہ ”پاکستان کے فلاں عالم صاحب بہت بڑے عالم تھے۔ جزئیاتِ فقہ پر ان کی نظر جتنی وسیع تھی شاید ہی ہندو پاک میں کسی دوسرے عالم کی ہو“۔ گویا

جزئیاتِ دین کے عالم ہونے کا نام عالم ہے، اساسات دین کا عالم ہونے کا نام عالم نہیں۔

فقہ جب ابتداءً بنی تو اساساتِ دین کے مطالعہ کے لیے نہیں بنی بلکہ مسائل دین کے مطالعہ کے لیے بنی۔ اسی طرح فقہ پر جزئیاتی ذہن غالب آ گیا۔ اسی فقہ پر ہمارے موجودہ مدارس کی بنیاد قائم ہے۔ ہمارے مدارس میں جزئیاتی مسائل پر زبردست بحثیں ہوتی ہیں۔ حتی کہ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ جزئیاتی مسائل کے عالم ہونے کا نام عالم ہے۔ اس طریقۂ تعلیم نے ملت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ موجودہ زمانے کے دینی اختلافات کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے مدارس کا تعلیمی نظام فقہ پر قائم ہے۔ اگر مدارس کا نظام قرآن وحدیث پر قائم کیا جائے تو اس قسم کے جھگڑے اپنے آپ ختم ہوجائیں گے۔

071

اخوان المسلمون کی تحریک کو مصر اور دوسرے عرب ملکوں میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ اخوانی تحریک کے مختلف شعبے تھے۔ ان میں سے ایک فوجی شعبہ تھا جس کو جناح عسکری کہا جاتا تھا۔ اخوان کے جناح عسکری کے سربراہ حسن دوح ([1921-2001] Hasan Dauh) تھے۔ موجودہ زمانے میں جو اسلامی تحریکیں اٹھیں ان سب کا یہی حال رہا ہے۔ کسی میں جناح عسکری عملاً قائم تھا، اور کسی میں صرف ذہنی طور پر وہ پایا جاتا تھا۔

تحریکوں کی اس عسکری جدوجہد (armed struggle) کا سبب یہ ہے کہ مفروضہ ''دشمنانِ اسلام'' کے ردعمل میں اٹھیں۔ کوئی یہودیوں کے خلاف، کوئی انگریزوں کے خلاف، کوئی فرانسیسیوں کے خلاف۔ یہی وجہ ہے کہ ان سب میں مشترک طور پر نفرت اور تشدد کا ذہن پایا جاتا ہے۔

موجودہ زمانے کی ان تحریکوں میں سی کسی تحریک میں ''جناح دعوتی'' نہ تھا۔ اگر یہ تحریکیں حقیقی معنوں میں دعوتی محرک کے طور پر اٹھتیں تو نہ صرف ان کے یہاں جناح دعوتی موجود ہوتا بلکہ ان کے یہاں دعوت ہی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی۔ اور پھر ان کا مزاج نفرت اور تشدد کے بجائے محبت اور امن کا بنتا۔

دعوت کا کام دلوں کو جیت کر اور ذہنوں کو مطمئن کر کے ہوتا ہے، اس لیے داعی کے اندر دوسروں کے لیے محبت، اور خیر خواہی کی نفسیات پیدا ہوتی ہیں۔

072

پانی پت کی جنگ (1526) میں بابر کو ہندستانی راجاؤں کے مقابلے میں فتح حاصل ہوئی۔ اس فتح کا راز بابر کا توپ خانہ تھا جس کو رومی ترک چلاتے تھے۔ بابر نے یہ توپ رومی ترکوں سے حاصل کی تھی۔ مگر عجیب بات ہے کہ بابر کی اولاد اس واقعہ کو بالکل بھول گئی۔ ان کی سمجھ میں کبھی یہ نہ آیا کہ توپ سازی کے فن کو ترقی دینے کے لیے باقاعدہ تجربہ گاہیں بنائی جائیں۔ مغلوں اور ہندستانی نوابوں کی یہی پس ماندگی تھی، جس نے انگریزوں کو یہ موقع دیا کہ وہ اپنی برتر ٹکنیک کے ذریعے ہندستان پر قابض ہو جائیں۔

انگریزوں نے فنِ جہاز رانی کو زبردست ترقی دی مگر ہندستان کے مغل حکمراں جہاز رانی کے فن سے بالکل بے خبر رہے۔ رابرٹ کلائیو اور نواب سراج الدولہ کی فوجوں میں مقابلہ ہوا تو رابرٹ کلائیو کی فوج کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کلائیو کی اسپرنگ دار (flint locks) بندوقوں، رائفلوں اور توپوں کی بناوٹ اتنی اعلیٰ تھی کہ سراج الدولہ کی فتیلہ سوز (match locks) بندوقیں ان کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان دورِ جدید میں سائنس کے علوم میں پیچھے ہو گئے اور یہی موجودہ زمانے میں ان کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

073

ہندستان میں مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں ہیں مگر تقریباً سب کی سب ردِّ عمل کی پیداوار ہیں۔ مسلمانوں کی ایک جماعت اور دوسری جماعت میں کوئی حقیقی فرق نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جو لیڈر اینٹی ہندو ٹون (anti-Hindu tone) میں بولتا ہے اس سے مسلمان خوش ہو جاتے ہیں اور جو پرو ہندو ٹون (pro-Hindu tone) میں بولتا ہے اس سے ناخوش۔

قوموں کا عام مزاج یہ ہے کہ وہ اینٹی اسٹیبلشمنٹ (anti-establishment) آوازوں کو

پسند کرتی ہیں اور پرو اسٹیبلشمنٹ (pro-establishment) آوازوں کو عوام کے اندر پسندیدگی حاصل نہیں ہوتی۔

ہندستان میں اس نفسیات پر مزید اضافہ یہ ہوا کہ مختلف اسباب سے مسلمانوں کے دلوں میں ہندوؤں کے خلاف منفی سوچ پیدا ہوگئی۔ اس کی وجہ سے کوئی ایسی تحریک ان کے درمیان مقبول نہیں ہوتی جو ہندوؤں سے ایڈجسٹمنٹ (adjustment) کی باتیں کرتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی تقریباً نصف صدی کی پرشور مسلم سیاست کے باوجود مسلمانوں کے حصہ میں احتجاج کے سوا اور کچھ نہ آیا۔

074

شیخ محمد سلیمان القائد (لیبیا) 23 اگست 1984 کو روانڈا کی راجدھانی کیگالی (Kigali) سے دہلی آئے تھے، اور یکم ستمبر 1984 کو واپس گئے۔ وہ اردو زبان بالکل نہیں جانتے۔ مگر عجیب بات ہے کہ انھوں نے میرے مشن کو جتنی گہرائی کے ساتھ سمجھا ہے، شاید کسی اور نے نہیں سمجھا۔ انھوں نے میری عربی کتابیں بار بار پڑھی ہیں۔ میرے ساتھ طرابلس میں تقریباً دو مہینہ رہے ہیں۔ اردو کے عربی ترجمے خود کروا کر پڑھے ہیں۔

دہلی میں انھوں نے مولانا حمید اللہ ندوی اندوری سے کہا— اگر آپ نے شیخ وحید الدین کے مشن کو واقعۃً پوری طرح سمجھا ہے تو آپ میرے بعد دوسرے شخص ہوں گے۔

شیخ محمد سلیمان القائد افریقہ میں زبردست تبلیغی کام کر رہے ہیں۔ مگر وہ اپنے کام کو ہمارے کام ہی کی شاخ سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کہا— دہلی مرکز تفجیر الثورۃ الفکریۃ ہوگا، اور یہاں سے سارے عالم میں اسلامی دعوت پھیلے گی۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس نیک تمنا کو واقعہ بنا دے۔

075

پاکستان کے ایک معروف عالم دین دہلی آئے اور ہمارے یہاں ٹھہرے۔ ایک ملاقات میں مَیں نے ان سے پوچھا کہ ”آپ کی دریافت کیا ہے“۔ انھوں نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا: قرآن حکیم میں امت مسلمہ سے خطاب کا کلائمکس سورہ حدید ہے۔ سورہ حدید کی پہلی چھ آیات میں ذات

باری تعالیٰ کی صفات کا اعلیٰ ترین سطح پر بیان نقطۂ عروج پر ہے۔

عجیب بات ہے کہ موجودہ زمانہ میں کوئی بھی شخص قرآن میں دعوت کو نہیں پاتا۔ دوسری ہر چیز آدمی پالیتا ہے مگر کسی کو قرآن میں دعوت نہیں ملتی۔ حالاں کہ امت کی سرفرازی کا تعلق دعوت سے ہے نہ کہ کسی اور چیز سے۔

076

علامہ اقبال (1877-1938) کا ایک شعر ہے:

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو　　خوف باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

اس قسم کے اشعار لوگ بہت جوش کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں سوچتا کہ اس قسم کے اشعار جو ذہن بناتے ہیں وہ سراسر غیر قرآنی ذہن ہے۔ قرآن کے مطابق، خاشاک غیر اللہ کو جلانا اور باطل کو غارت کرنا خدا کا کام ہے، نہ کہ انسان کا کام۔ اس قسم کے اشعار سے صرف جھوٹا فخر پیدا ہوسکتا ہے، نہ کہ حقیقی معنوں میں کوئی کارآمد ذہن۔

مومن کا اصل کام یہ ہے کہ وہ دنیا والوں کا خیر خواہ (well-wisher) ہو۔ لوگوں کے لیے اس کے دل میں محبت کے چشمے جاری ہوجائیں۔ وہ لوگوں کو آخرت کی دعوت دینے کا حریص بنے، نہ کہ انھیں شعلوں کی نذر کرنے کا حریص۔ اہلِ ایمان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حق کا اعلان کرنے والے بنیں۔ اس اعلان کا اصل جذبہ خیر خواہی ہونا چاہیے، جس کو قرآن میں نصح کہا گیا ہے (الاعراف، 7:62)۔ یہ داعیانہ جذبہ ہی صحیح ایمانی جذبہ ہے۔ اس ناصحانہ دعوت کے نتیجے میں یا تو ایسا ہوتا ہے کہ لوگ حق کے راستے کو قبول کرلیتے ہیں یا وہ اس کا انکار کرکے سزا کے مستحق بنتے ہیں۔ تاہم اس سزا کا فیصلہ کرنے والا اور اس کو نافذ کرنے والا خدا ہے، نہ کہ کوئی انسان۔

077

عرب ممالک کے سفر کے دوران اگست 1982 میں میری ملاقات ایک مصری نوجوان سے ہوئی تھی۔ ان کا نام ڈاکٹر محمد سعید مراد ہے۔ انھوں نے مصر کے انور سادات (1918-1981)

کے بارے میں بتایا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں اِن اخوانیوں پر رحم نہیں کروں گا۔

انور سادات نے اسکندریہ کے شیخ المحلاوی کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا اور اس کے بعد تقریر کرتے ہوئے، محمد سعید مراد کے الفاظ میں، کہا: قال السادات عنه فی خطبة عندما کان یتحدث عن الجماعات الاسلامیة اعتقلها۔

"وهناك رجل من الاسكندرية كان يهاجم النظام ولكنه الآن مرمىّ فى السجن مثل الكلب" يقصد الشيخ المحلاّوى۔ وكان السادات يقول فى خطابه تكراراً أنا لم ارحم هذه الجماعات۔ (اسکندریہ میں ایک آدمی ہے، وہ حکومت سے ٹکراؤ کرتا ہے، لیکن اب وہ جیل میں کلب کی مانند بند ہے۔ ان کی مراد شیخ المحلاوی تھے۔ اور سادات اپنی تقریروں میں بار بار کہا کرتے تھے کہ میں ان جماعتوں پر رحم نہیں کروں گا)

انور سادات کے یہ الفاظ بہت سخت معلوم ہوتے ہیں۔ مگر اس میں پچاس فی صد غلطی اگر انور سادات کی ہے تو پچاس فی صد غلطی ان حضرات کی جو حکومت ٹکراؤ کی سیاست کر رہے تھے۔

مسلمانوں کا کوئی بھی ادارہ ہو۔ اگر وہاں کوئی شخص ادارے کے صدر کا مخالف بن جائے تو اس کے ساتھ بقدرِ استطاعت ادارے کے لوگ وہی سلوک کریں گے، جو اپنی استطاعت کے دائرے میں انور سادات نے اپنے مخالفوں سے کیا۔ انور سادات اور ان کے جیسے حکمرانوں کے ظلم کی داستان سنانے والے لوگوں کو جاننا چاہیے کہ یہ وہی سلوک ہے جو خود اپنے اداروں میں ہو رہا ہے:

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

078

سارے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں فطرت کے مظاہر کی ایسی توجیہہ کی گئی ہو، جس سے سائنسی تحقیقات کی نفی لازم آئے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا جو چرچ کی تاریخ میں "گلیلیو" کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اسلام میں اس کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی کہ علمی نظریات کے لیے کسی کی پکڑ دھکڑ کی جائے یا اس کو سزا دی جائے۔

نظریاتی احتساب کی مثالیں اسلامی تاریخ میں خالص مذہبی لوگوں کے یہاں نہیں پائی جاتیں۔ صرف معتزلہ کے یہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور یہ ایک معلوم بات ہے کہ معتزلہ کٹر مذہبی لوگ نہیں تھے۔ بلکہ یہ وہ لوگ تھے، جو اپنے آپ کو روشن خیال کہتے تھے، اور آزادئ فکر کے علَم بردار تھے۔

معتزلہ نے عباسی حکمرانوں کی مدد سے اپنے نظریاتی مخالفین کا زبردست احتساب کیا۔ اسی احتساب کی ایک مثال امام احمد بن حنبل ہیں۔ امام احمد بن حنبل کو زبردست سزائیں دی گئیں۔ صرف اس لیے کہ وہ ''خلقِ قرآن'' کے مسئلے میں معتزلہ کے خیالات سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کو مسلسل مارا گیا۔ مارنے والے ایک جلاد نے بعد میں اس ضرب کی شدت کے بارے میں کہا تھا: ضربت أحمد بن حنبل ثمانين سوطا، لو ضربته فيلا لهدمته (المنهج الأحمد لأبي اليمن العليمي، ج 1 ص 107)۔ یعنی میں نے احمد بن حنبل کو اسی کوڑے مارے، اگر میں اس طرح کسی ہاتھی کو مارتا تو اس کو گرا دیتا۔

079

ایک مجذوب تھے۔ وہ گندی حالت میں سڑکوں پر پڑے رہتے تھے۔ لوگ ان سے کچھ کہتے تو ان کا جواب ہمیشہ صرف ایک ہوتا تھا: حرام کھاؤ، چوری کرو، ماں پر سوؤ۔

لوگ حیران رہتے کہ مجذوب صاحب اس قسم کی الٹی بات کیوں کہتے ہیں۔ تاہم مجذوب صاحب نے کبھی اس کی تشریح نہیں کی۔ کوئی شخص ان الفاظ کا مطلب پوچھتا تو وہ بگڑ جاتے۔ مجذوب اسی طرح کہتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

مجذوب صاحب کے ایک معتقد سے میری ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ میں برسوں تک مجذوب صاحب کے الفاظ پر سوچتا رہا۔ آخر کار میری سمجھ میں آ گیا کہ وہ کیا کہتے تھے۔ ان کا مطلب تھا: غصہ کھاؤ، چھپ کر عبادت کرو، زمین پر سوؤ۔

اسلام توہم پرستی کو مٹانے آیا تھا مگر بعد کے زمانے میں خود مسلمان طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہو گئے۔ انھیں میں سے ایک ''مجذوب'' کا عقیدہ بھی ہے۔ شریعت میں مجذوب کوئی چیز

نہیں۔ مگر لوگ جب کسی کو غیر معمولی حالت میں دیکھتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کوئی مجذوب (پہنچے ہوئے شخص) ہیں، اور اس کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔

080

مہاتما گاندھی نے آزاد ہندستان کے کانگریسی حکمرانوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ خلیفۃ ابوبکر اور خلیفۃ عمر کے نمونہ کی پیروی کریں:

We have to follow the example of Abu Bakr and Umar

اسلام کے ابتدائی دور میں زندگی کا جو نمونہ ظہور میں آیا وہ ساری انسانی تاریخ کا ایک انوکھا نمونہ تھا— خلیفۃ ابوبکر اور خلیفۃ عمر اپنے وقت کی انتہائی وسیع اور عظیم سلطنت کے حکمراں تھے۔ مگر ان کی زندگی اتنی سادہ تھی کہ دیکھنے والے ان کو عام شہری سمجھتے تھے۔ حق کو قائم کرنے اور باطل کو مٹانے میں کوئی جذبہ ان کے لیے رکاوٹ نہیں بنتا تھا۔

ان لوگوں کی زندگیاں ساری انسانیت کے لیے معیاری نمونے ہیں۔ جو لوگ اسلام کو بطور عقیدہ کے نہیں مانتے وہ بھی اگر سنجیدہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو مجبور پائیں گے کہ اپنے حکمرانوں کو ابوبکر و عمر کی مثال دے کر کہیں کہ تم ان کی تقلید کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے پاس دوسرا کوئی نمونہ نہیں جس کو وہ کامل معیار کے طور پر پیش کر سکیں۔

081

لاش نس (Loch Ness) اسکاٹ لینڈ کی ایک بڑی جھیل ہے۔ 1975 میں ایک امریکی قانون داں نے زمیں دوز کیمرے کے ذریعے اس جھیل کے اندرونی فوٹو لیے۔ ان فوٹوؤں میں جھیل کے اندر کے کچھ مناظر دکھائی دیتے تھے۔ یہ مناظر بادل کے دھبوں کی شکل میں تھے۔ ان تصویری دھبوں کا مطالعہ شروع کیا گیا۔ یہاں تک کہ ان دھبوں پر قیاس کا اضافہ کر کے سمجھ لیا گیا کہ یہ زندہ جانوروں کی تصویریں ہیں۔ کہا گیا کہ اسکاٹ لینڈ کی اس جھیل کے اندر انتہائی قدیم زمانے کے بعض بہت بڑے بڑے جانور موجود ہیں، جو نظریۂ ارتقاء کے مطابق قدیم زمانے میں افراط کے ساتھ

زمین پر پائے جاتے تھے۔ اس قیاس پر ماہرین کو اتنا یقین تھا کہ اس کا ایک مفروضہ نام پلی ساسور (Pleisosaurs) رکھ دیا گیا۔ مگر بعد کو معلوم ہوا کہ یہ مفروضہ بالکل غلط تھا۔ یہ دھبے چٹانوں کے تھے، نہ کہ زندہ جانوروں کے۔

انسانی علم میں ہمیشہ اس قسم کی غلطیوں کا انکشاف ہوتا رہا ہے، پہلے بھی اور آج بھی۔ مگر قرآن میں آج تک اس قسم کی کسی غلطی کا انکشاف نہ ہوسکا۔ حالاں کہ قرآن ہر قسم کے موضوعات کو ٹچ (touch) کرتا ہے۔ یہی ایک واقعہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے، وہ کوئی انسانی کلام نہیں۔ اگر وہ انسانی کلام ہوتا تو یقیناً اس کے اندر بھی وہی کمیاں پائی جاتیں جو تمام انسانوں کے کلام میں بلا استثنا پائی جاتی رہی ہیں۔

082

ایس ایم عارف ندوی نے ایک واقعہ بتایا۔ انھوں نے کہا کہ قرول باغ (دہلی) میں حکیم اجمل خاں نے طبیہ کالج قائم کیا۔ اس کا بہت بڑا کیمپس تھا۔ مگر انھوں نے اس کے اندر مسجد نہیں بنائی۔ تقسیم ملک کے بعد اس کا بڑا حصہ شرنارتھیوں کی قیام گاہ بن گیا۔

1970 کے بعد یہاں کے مسلمانوں کو خیال ہوا کہ کالج کے کیمپس میں ایک مسجد بنائیں۔ انھوں نے بنانا شروع کیا۔ مگر جب دیواریں کھڑی ہوگئیں تو مقامی غیر مسلموں نے اعتراض کیا، اور کہا کہ یہاں جب پہلے مسجد نہیں بنائی گئی تو اب آپ کو یہاں مسجد بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ایک مسلمان نے اس کے بعد ایک تدبیر کی۔ اس نے خاموشی سے ایک پتھر تیار کرایا۔ اس پر کندہ کر کے لکھا ہوا تھا:

هذا المسجد وقف لعامة المسلمين

اس نے اس پتھر کو مسجد کے پاس زمین میں گاڑ دیا۔ اس کے بعد ایک روز زور شور کے ساتھ اعلان کیا کہ یہاں ایک پتھر گڑا ہوا ملا ہے۔ ہندو جمع ہوئے۔ انھوں نے دیکھا کہ واقعی زمین سے ایک پتھر برآمد ہوا ہے، اور اس پر مذکورہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہندو خاموش ہوگئے

اور مسلمانوں نے وہاں باقاعدہ مسجد تعمیر کرلی۔

ہندو جب کہیں مندر بنانے والے ہوتے ہیں تو وہاں ان کا ایک بھگوان پرکٹ ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنی مسجد کے حق میں ایک پتھر کو پرکٹ کرلیا۔ مذکورہ حالات میں مَیں اس تدبیر کو درست سمجھتا ہوں۔ مگر مسلمان جس تدبیر کو خود اپنے لیے پسند کرتے ہیں، وہی تدبیر اگر دوسرے لوگ کریں تو انھیں اس پر شور وغل نہیں کرنا چاہیے۔

083

1981 میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ہنگامے ہوئے تھے۔ اس کے نتیجے میں یونی ورسٹی کے اندر پولس بلائی گئی۔ اس وقت ہندستان کی مسلم قیادت نے زبردست جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ 29 اگست 1981 کو ایک معروف مسلم ادارے کی جانب سے مسلم یونی ورسٹی کنونشن ہوا۔ یہ کنونشن بچوں کا گھر دہلی میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس موقع پر ادارے کی ترجمان میگزین نے لکھا:

> ”یونی ورسٹی کے ذمہ داران یونی ورسٹی کے مسائل کو جیل اور گولی اور رسوا کن بیانات سے کیوں طے کرنا چاہتے ہیں۔ معقولیت اور گفتگو کا طریقہ کیوں نہیں اپنایا جاتا۔ ہمارے ادارے نے مسلم یونیورسٹی کنونشن اس لیے بلایا ہے تاکہ یونی ورسٹی کے معاملات کو خوش اسلوبی سے طے کیا جائے اور یونیورسٹی کی فضا خوش گوار ہوسکے“ (28 اگست، 1981)۔

جب دوسروں کا احتساب کرنا ہو تو تمام مسلم لیڈر یہی زبان بولتے ہیں، مگر خود اپنا احتساب کرنا ہو تو وہ اس کے بالکل خلاف عمل کرتے ہیں۔ آج ہر مسلم ادارے کا یہ حال کہ اس کو جس سے اختلاف ہو جائے اس کے بارے میں بقدر استطاعت وہ ”گولی“ اور ”رسوا کن بیانات“ کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ مگر دوسروں سے اپنے لیے وہ اس سے مختلف رویے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس قسم کے مطالبات بلاشبہ جھوٹے مطالبات ہیں، اور جھوٹے مطالبات کی موجودہ دنیا میں کوئی قیمت نہیں۔

084

ٹھیک سات سال پہلے 6 فروری 1979 کو میں نے حسب ذیل سطریں لکھی تھیں: مکہ میں

جب خدا کے دشمنوں نے خدا کے رسول کو گھر سے بے گھر کرنے کا منصوبہ بنایا تو خدا نے اپنے رسول کے لیے دوسرا زیادہ بڑا دروازہ کھول دیا۔ اس نے مدینہ کو اسلامی دعوت کا مرکز بنا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص سنت ہے۔ وہ ایک کو حق کا راستہ روکنے کا مجرم ثابت کرکے دوسرے کو حق کا استقبال کرنے کا اعزاز دیتا ہے۔ وہ ایک کو ڈسکریڈٹ (discredit) کرکے دوسرے کو کریڈٹ (credit) عطا فرماتا ہے (6 فروری، 1979)۔

یہ سطریں میں نے ایک مسلم ادارے میں رہتے ہوئے لکھی تھیں، جب کہ ادارے والے مجھ کو بے گھر کرنے اور میرے مشن کو برباد کرنے کے لیے اپنی آخری کوشش کر رہے تھے، اور میں بظاہر بے بس بنا ہوا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے راستہ کھولا۔ آج میں دوبارہ یہ سطریں نظام الدین کے اسلامی مرکز میں لکھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا معجزہ دکھایا۔ الرسالہ بھی خدا کے فضل سے زندہ رہا اور میں بھی۔

085

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ کی شخصیت اپنے ماحول سے سراسر غیر متاثر نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے زمانے میں عرب میں شاعری کا بہت زور تھا۔ شعر گوئی کو اس وقت سب سے بڑا کمال سمجھا جاتا تھا۔ وہی شخص قوم میں نمایاں ہوتا تھا جو شعر کی زبان میں اپنی بات کہہ سکے۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں شعر و شاعری کا مطلق کوئی اثر نہیں ملتا۔ اپنے زمانے کے ادبی رواج سے اس قدر غیر متاثر رہنے کی کوئی دوسری مثال غالباً تاریخ میں نہیں ملے گی۔ آپ کی زندگی کا یہ غیر معمولی پہلو یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ آپ ایک غیر معمولی انسان تھے۔ آپ خدا کے پیغمبر تھے۔

086

ایک مسلمان بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ وہ بہت دنوں سے صابن بنانے کا تجربہ کر رہے

تھے۔ انھوں نے بتایا کہ صابن کا اصل جزء تیل ہے۔ صابن میں پوسٹک سوڈا بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر اس کا خاص کام یہ ہے کہ وہ تیل کو جمادے۔ کسی بھی نباتاتی تیل سے صابن تیار ہوسکتا ہے۔ انھوں نے کہا— مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ مسلمان اپنے گھر میں صابن نہیں بناتے۔ حالاں کہ صابن بنانا اتنا ہی آسان ہے جتنا کہ شب برات کا حلوا بنانا۔

اس کے بعد میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ اپنے گھر میں صابن بناتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ انھوں نے کچھ عذر بیان کیے جس کی وجہ سے وہ اپنے گھر میں صابن بنانے کا کام نہیں کرسکتے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ نہیں کہ مسلمان اپنے گھر میں ''صابن'' نہیں بناتے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اپنے گھروں میں ''صابن'' بنانے کا مشورہ وہ لوگ دے رہے ہیں، جو خود اپنے گھروں میں ''صابن'' بنانے کا کام نہیں کرتے۔

087

مولانا محمد شاکر صاحب (دہلی) نے بتایا کہ ایک شخص پر کسی جرم میں مقدمہ چلا اور اس کو قید کی سزا ہوگئی۔ اس نے جیل خانے سے ایک بزرگ کے یہاں پیغام بھیجا کہ میں جیل میں بند ہوگیا ہوں۔ کوئی ایسا عمل بتائیے کہ اس سے رہائی ہوجائے۔ بزرگ نے اس کو بتایا کہ تم یہ پڑھا کرو:

آج کل پرسوں ہزار بار بگوید قفل درزنداں بکشاید

اس نے اس جملہ کا ورد شروع کیا اور اسی کے بعد اس کو جیل خانے سے رہائی مل گئی۔

مسلمان بہت بڑی تعداد میں اسی قسم کے طلسماتی اعمال کے فریب میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ دین جو توہمات کو ختم کرنے کے لیے آیا تھا، اس کے ماننے والے خود توہمات میں مبتلا ہو کر رہ گئے۔ مزید یہ کہ انھوں نے توہمات کو اسلامائز (Islamize) کرلیا۔ انھوں نے کچھ اسلامی الفاظ بول کر اس کو اسلامی بنالیا۔

088

بشیر احمد راشد الامینی (پیدائش 1942) 1970 میں حج کرنے گئے۔ انھوں نے بتایا کہ

مدینہ میں انھوں نے ایک نقشہ نما خریدا، جس میں مسجد وغیرہ کی تصویریں تھیں۔ انھوں نے اس کو پھیری والے سے لیا تھا۔ پھیری والے نے بتایا تھا کہ اس میں دس تصویریں ہیں۔ مگر انھوں نے گھر پر جا کر دیکھا تو صرف آٹھ تصویریں تھی۔ وہ دوبارہ پھیری والے کے پاس شکایت کرنے کے لیے گئے۔ پھیری والے نے کہا ہم کیا کریں ہم تو ہول سیلر سے خریدتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھ کو ہول سیلر کے پاس لے چلو۔ کافی جھگڑا کے بعد وہ راضی ہوا۔ ہول سیلر کے پاس پہنچے تو وہ بھی جھگڑا کرنے لگا۔ بشیر صاحب نے اس کے سامنے ایک آیت پڑھی: فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (4:59)۔ یعنی پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ۔ آیت سن کر عرب دکان دار فوراً چپ ہو گیا۔

اسلام ایک ایسے برتر خدا کا تصور دیتا ہے جو سب سے بلند ہے۔ کسی سماج میں خدا کا تصور زندہ ہو تو یہ اس سماج کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کے بعد ایک شخص کے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ خدا کا نام لے کر کسی کو چپ کر سکے۔ وہ خدا کا واسطہ دے کر کسی ظالم کو ظلم سے باز رکھے۔

089

بزرگوں کی بزرگی ثابت کرنے کے لیے کس طرح جھوٹے قصے گھڑے جاتے ہیں، اس کی ایک دلچسپ مثال ذیل کا قصہ ہے:

مولانا قاسم نانوتوی کے بارے میں یہ قصہ مشہور ہے کہ مولانا نانوتوی دار العلوم دیوبند میں استاد تھے۔ دار العلوم کی طرف سے ان کو دس روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ نواب صدیق حسن خاں (بھوپال) نے ان کو لکھا کہ آپ دیوبند سے بھوپال آجائیں۔ یہاں آپ کو 300 روپئے ماہوار پیش کیے جائیں گے۔ مولانا نانوتوی نے ان کو جواب میں لکھا: ''میں یہاں مدرسہ میں دس روپیے ماہوار تنخواہ پاتا ہوں۔ 5 روپیے میں بچوں کا خرچ چل جاتا ہے، اور بقیہ پانچ روپیہ کا مصرف ہر ماہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اگر میں بھوپال آجاؤں تو مجھ کو ہر ماہ 295 روپیہ کا مصرف تلاش کرنا ہوگا۔ اور یہ زحمت اٹھانا میرے لیے مشکل ہے''۔

اس سلسلے میں مولانا محمد عبد الحق (انچارج دفتر دار العلوم دیوبند) کا ایک مضمون الجمعیۃ 4 جنوری 1975 میں چھپا ہے۔ انھوں نے اس قصہ کو سراسر بے بنیاد بتایا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی نے اپنی ساری عمر کبھی دار العلوم دیوبند سے کوئی تنخواہ ہی نہیں لی (ملاحظہ ہو، سوانح قاسمی جلد اول، صفحہ 536)۔

جب مولانا نانوتوی دار العلوم دیوبند سے سرے سے کچھ تنخواہ ہی نہیں لیتے تھے تو ان کے بارے میں مذکورہ قصہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

090

میں نے ایک خانقاہ میں چند دن گزارے۔ یہاں میں نے دیکھا کہ لوگ زور وشور کے ساتھ ذکر بالجہر کررہے ہیں۔ میں نے وہاں کے ایک عالم دین سے کہا یہ ذکر بالجہر جس کی گونج ہر خانقاہ میں سنائی دیتی ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ قرآن کے نص صریح کے خلاف ہے۔ کیوں کہ قرآن میں آیا ہے: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (7:205)۔ یعنی اور اپنے رب کو صبح وشام یاد کرو اپنے دل میں، عاجزی اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے۔ مزید یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے یہاں اس قسم کے ذکر کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس زمانے میں مطلق اس کا رواج نہیں تھا کہ لوگ بیٹھ کر بلند آواز سے کچھ مخصوص الفاظ کی تکرار کررہے ہوں۔

انھوں نے جواب دیا۔ اصل یہ ہے کہ رسول اللہ کی روحانیت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ جو آپ کو دیکھتا تھا وہ ایمان کا اعلیٰ مقام حاصل کرلیتا تھا۔ مگر بعد کے دور میں جب یہ چیز باقی نہ رہی تو بزرگوں نے ذکر بالجہر کا طریقہ اختیار کیا۔ اس سے دل پر ضرب لگائی جاتی ہے اور دل کو پاک صاف کیا جاتا ہے۔

''بزرگوں'' کی طرف سے اس قسم کا جواب دیا جانا اور مریدوں کا نہایت وفاداری کے ساتھ اس کو محفوظ کرلینا ظاہر کرتا ہے کہ مسلم قوم میں دینی فکر کی سطح آج کتنی پست ہوچکی ہے۔ ذکر عبادت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ عبادت کے لیے یہ امر مسلم ہے کہ یہ اجتہاد کے دائرے سے

باہر کی چیز ہے۔ یعنی اس کا تعین صرف خدا کرسکتا ہے۔ انسان اس کی صورت متعین نہیں کرسکتا۔ اب مذکورہ بالا سوال پر غور کیجیے تو منطقی طور پر یہ جواب جہاں پہنچاتا ہے وہ یہ کہ ''ہم پیغمبر نہیں بن سکتے تھے، اس لیے ہم نے خدا کی نشست پر قبضہ کرلیا ہے۔''

091

حضرت مسیح علیہ السلام بلاشبہ خدا کے پیغمبر تھے مگر آپ کا تذکرہ عیسائیوں کی مقدس کتاب کے باہر کہیں موجود نہیں۔ اس بنا پر بہت سے اہلِ علم حضرات، مسیح کو غیر تاریخی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ کسی شخص کے تاریخی شخص ہونے کا ایک معیار یہ ہے کہ اس کا ذکر معاصر تاریخ (contemporary history) میں موجود ہو۔ چنانچہ عیسائی علما نے بے شمار کوشش کی کہ وہ حضرت مسیح کی معاصر تاریخ میں آپ کا تذکرہ حاصل کرسکیں مگر اس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مسیح کے بارے میں غیر مذہبی ریکارڈ (secular records) نہیں ملتا۔ پیغمبر عیسی کے زمانے کی غیر مسیحی تحریروں میں براہِ راست ان کا کوئی ذکر نہیں۔ تاہم بے پناہ تلاش کے بعد موجودہ زمانے میں بعض بالواسطہ حوالے معلوم کیے گئے ہیں۔ مثلاً بعد کے کچھ یہودی ربّی کی تحریروں میں اس قسم کے جملے دریافت کیے گئے ہیں — فلسطین میں ایک جادوگر کا ظہور ہوا تھا تاہم یہ تحریر بھی پہلی صدی عیسوی کی ہے یعنی حضرت مسیح کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد کی۔

092

ایک مضمون نظر سے گزرا۔ یہ مضمون مصافحہ کے شرعی طریقہ کے بارے میں ہے۔ اس میں ''احادیث نبوی'' کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا افضل ہے۔ تاہم ایک ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایک حنفی عالم کا مضمون ہے۔ دوسری طرف اہلِ حدیث علما یہ ثابت کرتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا افضل ہے، اور ان کے پاس بھی حدیث موجود ہے۔

اس طرح کے امور میں افضل اور غیر افضل کی بحث چھیڑنا سراسر خلاف سنت ہے۔ جس

معاملے میں بھی ایک سے زیادہ طریقہ حدیثوں میں موجود ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں توسع ہے۔ یعنی یہ بھی درست ہے اور وہ بھی درست ہے۔ ایسے تمام امور میں دونوں ثابت شدہ طریقوں کو درست قرار دینا چاہیے، نہ کہ ایک کو افضل اور دوسرے کو غیر افضل ثابت کیا جائے۔

اسی لیے حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا ہوں کہ اصحابِ رسول اختلاف نہ کرتے۔ کیوں کہ اگر صرف ایک قول ہوتا تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے۔ وہ لوگ نمونہ تھے۔ ان کی اقتدا کی جاتی ہے، اگر کوئی آدمی ان میں سے کسی کے بھی قول کو اختیار کرلے تو وہ آسانی میں ہے (مَا أُحِبُّ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَخْتَلِفُوا؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قَوْلًا وَاحِدًا كَانَ النَّاسُ فِي ضِيقٍ وَإِنَّهُمْ أَئِمَّةٌ يُقْتَدَى بِهِمْ وَلَوْ أَخَذَ رَجُلٌ بِقَوْلِ أَحَدِهِمْ كَانَ فِي سَعَةٍ) جامع بیان العلم وفضلہ، اثر نمبر 1689۔

بعد کے لوگوں میں جو فقہی اختلافات ہوئے ان سب کا ابتدائی سبب صحابہ کے یہاں موجود تھا۔ مگر فرق یہ ہے کہ صحابہ کا ذہن ان اختلافات میں یہ تھا کہ یہ بھی درست ہے اور وہ بھی درست۔ مگر بعد کے لوگوں نے یہ بدعت کی کہ ان اختلافات میں افضل اور غیر افضل تلاش کرنے لگے۔ بس یہیں سے شدت پیدا ہوئی، اور اختلاف آخر کار نااتفاقی بن گیا۔ اختلافی امور میں توسع کا ذہن ہو تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ مگر جب افضل اور غیر افضل کی بحث چھیڑ دی جائے تو وہیں سے تباہ کن اختلاف کا آغاز ہو جاتا ہے۔

093

ہندستان کے سابق وزیر اعظم مسٹر مرار جی ڈیسائی یورپ اور امریکا کے بارہ روزہ سرکاری دورہ کے بعد 17 جون 1978 کو نئی دہلی واپس آئے۔ پالم ائرپورٹ پر جب وہ اپنے ہوائی جہاز سے باہر آئے تو مرکزی وزیر صحت مسٹر راج نرائن نے وزیر اعظم کا استقبال کرتے ہوئے ان کو عطر لگایا۔ مرار جی نے کہا: ''یہاں تو آپ مجھے عطر کی خوشبو سنگھا رہے ہیں لیکن میری غیر حاضری میں آپ کی کرتوتوں کی بدبو آتی تھی۔ مسٹر راج نرائن نے جواب دیا ''نہیں نہیں مرار جی بھائی، یہ غلط ہے۔''

ہندستان ٹائمس 18 جون 1978، صفحہ 1

یہ ایک چھوٹا سا نمونہ ہے جس میں ان لوگوں کی تصویر نظر آتی ہے، جو جنتا پارٹی کے نام سے حکومت میں آئے تھے۔ 1977 میں جنتا پارٹی کا حکومت میں آنا بالکل جوار بھاٹا کا معاملہ تھا۔ وہ تیزی سے گورنمنٹ ہاؤس میں داخل ہوئی اور پھر دو سال بعد تیزی سے باہر نکل گئی۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ جنتا پارٹی دراصل مخالف کانگریس عناصر کا دوسرا نام تھی۔ جو لوگ کسی مخالفانہ نعرے کی بنیاد پر اکٹھا ہوں ان کے اجتماع واتحاد پر ایک نادان آدمی ہی خوش ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ اس طرح اکھٹا ہونے والے لوگ ہمیشہ نہایت سطحی لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اگر اقتدار پر قبضہ پالیں تب بھی کوئی مثبت کام نہیں کرسکتے۔ وہ جتنی تیزی سے جمع ہوتے ہیں اتنی ہی تیزی سے دوبارہ منتشر ہوجاتے ہیں۔ اس قسم کے جھوٹے اتحاد کا تماشہ مسلمانوں میں بھی کثرت سے دیکھا جاسکتا ہے۔

094

ڈاکٹر الکسس کیرل (1873-1944) نے لکھا ہے کہ گلیلیو نے چیزوں کی ابتدائی صفات کو جو ابعاد اور وزن پر مشتمل ہیں اور جن کی آسانی سے پیمائش کی جاسکتی ہے، ان ثانوی صفات سے الگ کردیا جو شکل، رنگ اور بو وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کی پیمائش کی جاسکتی ہے۔ کمیّت کو کیفیت سے جدا کردیا گیا:

> Galileo, as is well known, distinguished the primary qualities of things, dimensions and weight, which are easily measurable, from their secondary qualities, form, colour, odour, which cannot be measured. The quantitative was separated from the qualitative. The quantitative, expressed in mathematical language, brought science to humanity. The qualitative was neglected. (*Man, the Unknown*, New York, 1939, p. 278)

095

قرآن میں سورہ الذاریات کی ایک آیت یہ ہے: وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ (51:47)۔ اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے: اور ہم نے آسمان کو بنایا ہاتھ سے اور ہم

یقیناً پھیلانے والے ہیں۔

قدیم مترجمین کی سمجھ میں پھیلانے والے کی معنویت نہ آسکی، اس لیے انھوں نے لَمُوسِعُونَ کا ترجمہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

وہر آئینہ ما تو انائیم۔

اور ہم کو سب مقدور ہے۔

اور ہم وسیع القدرت ہیں۔

اور بڑی ہی وسعت رکھنے والے ہیں۔

اور ہم اس کی قدرت رکھتے ہیں۔

اور ہم یقیناً بڑی طاقت والے ہیں۔

اور ہم ہی صاحب قدرت ہیں۔ وغیرہ۔

خالص لفظی اعتبار سے یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ لفظی ترجمہ یہ ہے: ''ہم کشادہ کرنے والے ہیں'' یا ''ہم پھیلانے والے ہیں''۔

ترجمہ کے اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ قدیم زمانے میں لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ کائنات ایک پھیلتی ہوئی کائنات (expanding universe) ہے۔ انسانی علم کی محدودیت اس کو نہ پاسکی۔ مگر قرآن کے مصنف کو یہ حقیقت اس وقت بھی معلوم تھی کہ جب کہ ساری دنیا میں کوئی ایک شخص بھی اس کو نہیں جانتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اس حقیقت کی رعایت کرتے ہوئے مُوسِعُونَ (ہم پھیلانے والے ہیں) کے لفظ کا انتخاب فرمایا۔

قرآن میں اس طرح کے کثیر شواہد ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن عالم الغیب کا کلام ہے، محدود ذہن رکھنے والا انسان ایسا کلام پیش کرنے پر قادر نہیں ہوسکتا۔

096

سورۃ الذاریات کی آیت 47 کے سلسلے میں میں نے قرآن کے بہت سے تراجم کو دیکھا۔ اکثر

لوگوں نے وہی ترجمہ کیا ہے، جو میں اس سے پہلے نقل کر چکا ہوں۔ میرے علم کے مطابق، اس میں صرف کچھ مترجمین کا استثنا ہے۔

شاہ رفیع الدین صاحب (1750-1818) کے متعلق معلوم ہے کہ وہ خالص لفظی ترجمہ کرتے ہیں۔ حتی کہ وہ اس کا بھی لحاظ نہیں کرتے کہ ان کے الفاظ پڑھنے والا سمجھ سکے گا یا نہیں۔ ان کے لفظی ترجمہ پر کچھ لوگ ہنستے ہیں، مگر حقیقت ہے کہ اس لفظی ترجمہ کی وجہ سے اکثر وہ ایسی غلطی سے بچ جاتے ہیں، جو دوسرے مترجمین سے ہوئیں۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے مذکورہ آیت کا جو ترجمہ کیا ہے وہ ان کے الفاظ میں یہ ہے:

''اور آسمان کو بنایا ہم نے اس کو ساتھ قوت کے اور تحقیق ہم البتہ کشادہ کرنے والے ہیں''

(مطبوعہ: مجمع البحوث العلمیہ الاسلامیہ، نئی دہلی، صفحات 24-623)

یہ چھوٹی سی مثال ایک بہت بڑی حقیقت کو بتاتی ہے۔ یہ حقیقت کہ خدا کے کلام کی اطاعت خالص تقلیدی انداز سے ہونی چاہیے۔ خدا کے کلام سے اگر ایک حکم واضح طور پر نکل رہا ہو تو ہم کو چاہیے کہ ہم بالکل مقلدانہ انداز میں اس پر چل پڑیں۔ عین ممکن ہے کہ مستقبل یہ بتائے کہ خدا کے اس حکم میں بہت بڑا خیر تھا جو بظاہر ہماری عقل میں نہیں آتا تھا۔

شاہ رفیع الدین صاحب نے یقیناً یہ ترجمہ جدید فلکیاتی فہم کے ساتھ نہیں کیا کیوں کہ توسیع کائنات کا نظریہ (expanding universe theory) ان کے زمانے میں دریافت ہی نہ ہوا تھا۔ یقینی طور پر انھوں نے یہ ترجمہ خالص تقلیدی ذہن کے تحت کیا، مگر ان کی تقلید عظیم الشان اجتہاد بن گئی۔ جو چیز ماضی میں بظاہر ناقابلِ فہم تھی، جب مستقبل کے پردے ہٹے تو معلوم ہوا کہ وہی سب سے زیادہ قابلِ فہم بات ہے۔ آج جدید معلومات سامنے آنے کے بعد شاہ رفیع الدین صاحب ہی کا ترجمہ صحیح نظر آتا ہے جب کہ قدیم زمانے میں وہ غیر صحیح دکھائی دیتا تھا۔

097

شریمتی سبھدرا جوشی (پیدائش 1919) نے فورمن کرسچین کالج لاہور سے سیاسیات میں ایم

اے کیا۔ وہ بچپن سے ملکی سیاست میں دلچسپی لیتی رہی ہیں۔ 1947 کے بعد فرقہ پرستی کے خلاف کام کرنے والوں میں ان کا نام بہت نمایاں ہے۔ ماہنامہ شبستان (جون 1972) کو انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے اپنا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا:

1947 کے ہنگامہ میں ہم دہلی کے مسلم محلوں میں کام کررہے تھے۔ دلی کانگریس پر ہمارا قبضہ تھا۔ گاندھی جی آئے انھوں نے ہم سے پوچھا، کتنے مسلمان مارے گئے۔ ہم نے بتایا کہ دس ہزار سے زیادہ مارے گئے ہیں۔ وہ بہت برہم ہوئے اور کہا کہ تم نے بچانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ ہم نے کہا ہم تو برابر کوشش کررہے ہیں، مگر حالات بہت زیادہ خراب ہیں۔ انھوں نے غصے میں پوچھا ان دس ہزار میں تمھارے کانگریس ورکر کتنے مارے گئے۔ ہم نے جواب دیا، ایک بھی نہیں۔ اس پر وہ بولے : پھر میں کیسے مان لوں کہ تم نے بچانے کی کوشش کی ہوگی''۔

سبھدرا جوشی کی رپورٹ کے بعد گاندھی جی کا ایک جواب یہ ہوسکتا تھا— ''کوشش اپنا کام ہے، کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ تم اپنی کوشش جاری رکھو''۔

مگر یہ جواب نہیں۔ جو لوگ اپنے ماتحتوں کو اس قسم کے جواب دیں وہ زندگی کی حقیقتوں سے بالکل ناواقف ہیں۔

098

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے۔ جامع مسجد دہلی میں ایک دن دو جلسے ہوئے۔ دونوں جلسے جامع مسجد کے قریبی پارک میں تھے۔ دونوں کی تاریخ ایک تھی۔ صرف اتنا فرق تھا کہ ایک جلسہ مغرب سے پہلے ہوا، اور دوسرا جلسہ مغرب کے بعد۔

ایک جلسے کو جماعت اسلامی اور مجلس مشاورت وغیرہ کی جانب سے کیا گیا تھا، اور دوسرے جلسے کو جمعیۃ علماء اور قوم پرست مسلمانوں نے۔ ایک حلقے کے لوگ ایک جلسے میں گئے اور دوسرے حلقے کے لوگ دوسرے جلسے میں۔

میں اتفاق سے دونوں جلسوں میں شریک ہوا۔ دونوں جلسوں کا خلاصہ یہ تھا کہ انھوں نے

نئی دہلی کے عرب سفیروں کو دعوت دی۔ کچھ سفیر ایک جلسہ کو مل گئے، اور کچھ سفیر دوسرے جلسہ کو۔ اس کے بعد دونوں طرف کے مقررین نے پر جوش تقریریں کیں۔ آخر میں دونوں جلسوں میں عربوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہا گیا —— اے عربو! متحد ہو کر اسرائیل کا مقابلہ کرو۔

دونوں جلسوں میں شرکت کے بعد جب میں گھر کی طرف واپس ہوا تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری زبان سے نکلا ''ہم متحد ہو کر مشورہ بھی نہیں کر سکتے ہیں، مگر دوسروں کو مشورہ دینے کے لیے جلسے کرتے ہیں کہ وہ متحد ہو کر مقابلہ کریں''۔

099

جماعت اسلامی کے لوگوں نے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی پر ایک کتاب چھاپی ہے جس کا نام ہے ''ایک شخص ایک کارواں''۔ اس کے مرتب جناب مجیب الرحمن شامی ہیں۔ اس کتاب میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی صدر ایوب سے ملاقات کا ذکر ہے۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ صدر ایوب نے اپنی ملاقات میں کہا ''مولانا صاحب، آپ کی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ واقعی آپ نے دین کی بہت خدمت کی ہے۔ مولانا صاحب میری ایک تجویز ہے۔ آپ جیسی بڑی علمی شخصیت کو اپنی عمدہ صلاحیتیں سیاست میں ضائع کرنے کے بجائے ان سے قومی تعمیر کا کوئی ٹھوس کام لینا چاہیے۔ اس غرض کے لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم ملک کے اندر ایک شاندار اسلامی یونیورسٹی قائم کریں۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ یہ یونیورسٹی میں نے بھاول پور میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے لیے ابتدائی سرمایہ کے طور پر رواں بجٹ میں دو کروڑ روپیہ کی رقم مختص کر دی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس یونیورسٹی میں بہترین استادوں اور عمدہ انتظامات کے ذریعے خالص دینی علوم اس طرح پڑھائے جائیں کہ اس یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے طلبہ دنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سنبھالیں۔ اس یونیورسٹی کی سربراہی کے لیے آپ کا نام میرے ذہن میں آیا ہے۔ کیا یہ اچھا نہ ہوگا کہ آپ سیاست کے جھنجھٹ سے الگ ہو کر اس کام کا بیڑا اٹھائیں، جو آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کے مطابق آپ کا اصل کام ہے۔ میں یہ بیان کر دوں کہ یونیورسٹی

کے لیے ہم نے دو کروڑ روپیہ کا جو ابتدائی فنڈ مختص کیا ہے، وہ رقم اور حکومت کی طرف سے اس کے بعد ملنے والی تمام گرانٹ سب پر آپ کو اپنی صوابدید کے مطابق مکمل تصرف کا اختیار ہوگا۔ اور آپ کو قانوناً آڈٹ وغیرہ کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے گا۔'' (ایک شخص ایک کارواں، نئی دہلی، 1981، صفحہ 100)

کتاب میں بتایا گیا ہے کہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ پاکستان میں ان کی اختیار کردہ سیاست کا قدرتی نتیجہ تھا۔ جو لوگ سیاسی اپوزیشن میں انوالو (involve) ہوں، ان کو مذکورہ قسم کے تعمیری کام کام نہیں لگتے ہیں۔ حالاں کہ اصل کام یہی ہے کہ انسان اپنی کوششوں کو سیاسی ٹکراؤ کے میدان سے ہٹائے، اور وہ اپنے آپ کو پوری طرح سماجی تعمیر کے کام میں لگا دے۔

100

ڈاک سے ایک لفافہ موصول ہوا۔ اس میں ایک دینی ادارے کے ہفت روزہ میگزین کے ایک صفحے کی فوٹو کاپی تھی۔ یہ مضمون ادارے کے بانی کے بارے میں ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے:

چراغ عالم اسلام تھے

اس عنوان کے نیچے جو مضمون ہے وہ گویا نثر میں شاعری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے نعت کے تمام شاندار الفاظ بانیٔ ادارہ کی قصیدہ خوانی میں صرف کر دیئے ہیں۔

اس مضمون کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ میری وفات کے بعد جو لوگ میری تعریف میں اس قسم کے قصیدے لکھیں گے، وہ میرے جھوٹے ماننے والے ہوں گے۔ میرے حقیقی ماننے والے وہ ہیں، جو میرے مشن کو لے کر آگے بڑھیں، جو میرے اس دنیا سے جانے کے بعد اس دینی جدوجہد کے لیے پہلے سے زیادہ سرگرم ہو جائیں۔

میرا کام اللہ کے سچے دین کا اعلان و اظہار ہے۔ میری ساری دلچسپی صرف اس بات سے ہے کہ اللہ کی بڑائی بیان کی جائے۔ پیغمبر اسلام کی لائی ہوئی ہدایت کو آج کے انسانوں تک پہنچایا

جائے۔لوگوں کو آنے والے ہولناک دن سے ہوشیار کیا جائے۔میرے بعد جولوگ میرے اس مشن کے لیے سرگرم ہوں وہی میرے سچے ساتھی ہیں۔اور جولوگ نظم ونثر میں میری تعریف کریں، ان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ان کی راہ الگ ہے اور میری راہ الگ۔

101

علمی حدود کیا ہے۔اس کو ذیل کے واقعے سے سمجھا جاسکتا ہے۔علما کے ایک گروہ کا ماننا ہے کہ فاسق امیر کے ساتھ جہاد کرنا جائز ہے۔اس کی مختلف دلیلوں میں سے ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری (وفات 52ھ) جو ایک جلیل القدر صحابی تھے، انھوں نے یزید بن معاویہ (وفات 64ھ) کے ساتھ جہاد کیا۔اس سلسلے میں فقیہ ابوبکر جصاص (وفات 370ھ) نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خلفاء راشدین کے بعد فاسق امراء کے ساتھ جنگ کرتے تھے، اور ابوایوب انصاری نے یزید لعین کے ساتھ جنگ کی (وَقَدْ كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وآله وَسَلَّمَ يَغْزُونَ بَعْدَ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةِ مَعَ الْأُمَرَاءِ الْفُسَّاقِ وَغَزَا أَبُو أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ مَعَ يَزِيدَ اللعين)۔احکام القرآن للجصاص، جلد 4، صفحہ 319

یزید کو لعین کہنا بذات خود قابل اعتراض ہے۔کسی شخص کو ملعون قرار دینے کے لیے شرعی دلیل درکار ہے، اور یقیناً ایسی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں، جو صراحۃً یزید کی ملعونیت کا اعلان کرتی ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ یزید کو جولوگ بطور خود ملعون کہتے ہیں، وہ اس کی ملعونیت کو کربلا (61ھ) کے واقعہ سے اخذ کرتے ہیں۔مگر حضرت ابوایوب انصاری نے یزید کی ماتحتی میں جو غزوہ کیا تھا، وہ کربلا سے بہت پہلے کا واقعہ ہے۔یہ قسطنطنیہ کا غزوہ تھا، جو امیر معاویہ کے زمانے میں 49ھ میں پیش آیا، جب کہ یزید ابھی خلیفہ بھی نہیں ہوا تھا۔پھر کیا وہ خلافت اور کربلا سے پہلے ہی ملعون تھا، کیا وہ ماں کے پیٹ سے ملعون پیدا ہوا تھا۔

ہمارے علما میں بہت کم ایسے لوگ ہیں جو علمی حدود کے پابند رہ کر بولتے ہوں۔ہمارا قدیم وجدید لٹریچر غیر علمی بیانات سے بھرا ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اپنی دعوت کا آغاز کیا۔ وہاں آپ تقریباً 13 سال رہے۔ مکہ والوں نے آپ کی سخت مخالفت کی۔ یہاں تک کہ وہ آپ کو ہلاک کرنے کے درپے ہوگئے۔ عین اسی وقت مکی دور کے آخری زمانے میں قرآن میں سورہ یوسف اتری۔ اس میں بتایا گیا کہ یوسف کے بھائی یوسف کے دشمن ہوگئے۔ انھوں نے ان کو ختم کرنے کے لیے ایک سنسان مقام پر لے جا کر ان کو اندھے کنویں میں ڈال دیا۔ یہاں تاجروں نے ان کو کنویں سے نکالا، اور ان کو لے جا کر مصر پہنچا دیا۔ وہاں ان کے لیے اعلیٰ ترقی کی نئی راہیں کھلیں۔ ایک اُسوء القصص احسن القصص میں تبدیل ہوگیا۔

مکی دور کے آخر میں اس سورہ کا اترنا اس بات کا اشارہ تھا کہ پیغمبر اسلام کے ساتھ خدا کی مدد سے یہی معاملہ پیش آئے گا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ مکہ والوں نے آپ کو ہلاکت کے غار میں ڈالنا چاہا مگر عین اسی وقت مدینہ میں آپ کے قدرداں پیدا ہوگئے۔ آپ ان کی دعوت پر مکہ سے مدینہ پہنچ گئے اور وہاں آپ نے اسلام کی نئی تاریخ بنائی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میرے ساتھ بھی ایسا ہی کچھ معاملہ پیش آنے والا ہے۔ میں 1956 سے 1962 تک جماعتِ اسلامی کے مرکزی شعبۂ تصنیف وتالیف سے وابستہ تھا۔ اس کے بعد 1963 سے 1966 تک مجلس تحقیقات ونشریات اسلام (ندوۃ العلماء) لکھنؤ سے وابستہ رہا۔ دونوں جگہ یہ صورت پیش آئی کہ وہ لوگ میری تنقیدوں سے برہم ہوگئے۔ میرا غیر مصالحانہ انداز ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگیا۔ چنانچہ دونوں جگہ سے علیحدگی عمل میں آئی۔ اس کے بعد جمعیۃ علماء کی دعوت پر میں 1967 میں دلی آیا، اور جمعیۃ علما ہند کے ہفت روزہ اخبار الجمعیۃ سے وابستہ رہا۔ یہاں بھی ابتدائی چند سالوں کے بعد اختلافات پیدا ہوگئے۔ یہاں تک کہ 1974 میں انھوں نے مجھ کو الگ کر دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے دلی کے مرکزی شہر میں ٹھہرانے کا انتظام کیا اور ایسے اسباب

پیدا کیے کہ 1976 میں الرسالہ جاری ہوا۔ اور اب خدا کے فضل سے اسلامی مرکز کی صورت میں اس نے ایک مستقل ادارے کی شکل اختیار کرلی ہے اور لوگوں کی مخالفتوں کے باوجود وہ دن بدن ترقی کررہا ہے۔ شاید تاریخ دوبارہ یہ منظر دیکھنے والی ہے — ایک اُسوء القصص خدا کی مدد سے احسن القصص میں تبدیل ہوگیا۔

103

موجودہ زمانے کے مسلم قائدین کا معاملہ نہایت عجیب ہے۔ وہ بیک وقت نہایت کامیاب تھے، اور اسی کے ساتھ نہایت ناکام بھی۔ مثلاً 1952 میں مصر کی اخوان المسلمون جنرل محمد نجیب (1901-1984) اور جمال عبدالناصر حسین (1918-1970) کے ساتھ مل کر مصر سے شاہ فاروق (1920-1965) کو معزول کرنے میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ لیکن اس کے بعد انھوں نے مصر کے الیکشن میں حصہ لیا تو وہ بالکل ناکام ہوگئے۔ جماعت اسلامی پاکستان جنرل ایوب خان (1907-1974) اور ذوالفقار علی بھٹو (1928-1979) کی حکومت ختم کرنے میں نہایت کامیاب رہی۔ مگر جب وہ لوگ الیکشن کے میدان میں آئے تو وہ کامیاب نہ ہوسکے، وغیرہ وغیرہ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص جب شاہ فاروق یا ایوب اور بھٹو کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے اٹھتا ہے تو وہ اکیلا نہیں ہوتا۔ پوری اپوزیشن اور تمام مخالف حکومت عناصر اس کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں۔ حکومت کے خلاف مہم میں آدمی کی طاقت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے قائدین اینٹی حکومت مہم میں کامیاب رہے۔ اس کے بعد جب یہ لوگ ملک میں خود اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے اٹھے تو اس وقت وہ تنہا تھے۔ اس دوسری مہم میں انھیں اپنی تنہا قوت سے کامیاب ہونا تھا۔ چوں کہ ان کی تنہا قوت بہت کم تھی اس لیے وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔

اینٹی حکومت مہم میں جو مقبولیت حاصل ہوتی ہے، وہ بلاشبہ جھوٹی مقبولیت ہے۔ اس قسم کی مہم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض شخصی لیڈری ہے، نہ کہ کوئی واقعی کام۔ اینٹی حکومت مہم میں فوراً مقبولیت حاصل ہوجاتی ہے، اس لیے لوگ تیزی سے اس کی طرف دوڑتے ہیں۔ اس کے مقابلے

میں مثبت مہم میں عوامی مقبولیت حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے اس کا میدان سونا پڑا ہوا ہے۔ اس میدان میں کوئی دکھائی نہیں دیتا۔

104

ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے یہ شکایت کی کہ الرسالہ میں سلف پریز (self-praise) ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ اس کی مثال دیجیے۔ انھوں نے الرسالہ میں شائع شدہ ایک خط کا ذکر کیا جس میں الرسالہ کے زبان و بیان پر پسندیدگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ یہ بتائیے کہ سلف پریز کا مطلب کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اپنی تعریف آپ کرنا۔ میں نے کہا کہ آپ نے جس خط کا حوالہ دیا ہے، وہ دوسرے شخص کا خط ہے پھر یہ اپنی تعریف آپ کرنا کیسے ہوا۔

اسی مجلس میں انھوں نے اپنے گھر کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ گھر کے اخراجات پہلے میں خود کرتا تھا مگر میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ سے زیادہ خرچ ہو جاتا ہے اس لیے میں نے یہ کام اپنی بیوی کے حوالے کر دیا۔ وہ، ماشاء اللہ، نہایت احتیاط سے خرچ کرتی ہیں۔ اب ہمارے گھر کا ماہانہ خرچ پہلے سے کم ہو گیا ہے، اور پس انداز کی جانے والی رقم کی مقدار بڑھ گئی ہے۔

میں نے سوچا کہ آدمی بھی کیسا عجیب ہے۔ ایک معاملے میں اس کا رویہ کچھ ہے، اور دوسرے معاملے میں اس کا رویہ کچھ دوسرا۔ وہ اپنے پیسے کو خرچ کرنے کے معاملے میں نہایت کفایت شعار ہے مگر اپنے الفاظ کو خرچ کرنے کے معاملے میں نہایت فیاض۔ مذکورہ بزرگ الرسالہ پر تبصرہ کرنے کے لیے اپنے الفاظ کے ذخیرے کو بے حساب خرچ کر رہے ہیں، مگر وہی بزرگ اپنے جیب کے پیسہ کو خرچ کرنے کے معاملے میں حد درجہ محتاط اور کفایت شعار نے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی رقم کو سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں، اور اپنے الفاظ کو سوچے بغیر۔

105

ڈاکٹر انوار احمد (کوہنڈہ، اعظم گڑھ) کے ایک خط کے جواب میں لکھا:

آپ کا خط مورخہ 27 مارچ ملا۔ حالات سے آگاہی ہوئی۔ مومن اس چیز میں جیتا ہے، جو اس

کے اپنے پاس ہے، نہ کہ اس چیز میں جو دوسروں کے پاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن کبھی خالی یا محروم نہیں ہوتا۔ اگر دعوت کے مواقع نہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو دعا میں مشغول کرلیتا ہے۔ اگر انسان اس کو نظر انداز کریں تو وہ خدا کو اپنا ولی بنالیتا ہے۔

مومن خود ایک کامل وجود ہے۔ اس لیے اس کے واسطے نہ کبھی محرومی کا سوال پیدا ہوتا ہے، اور نہ کبھی بے کاری کا۔ آپ کے مخالفین آپ کو لاؤڈ اسپیکر پر بولنے نہیں دے رہے ہیں تو آپ دل کے خاموش تاروں پر حق کا نغمہ چھیڑیے۔ آپ کو انسانوں میں اگر ایسے لوگ نہیں مل رہے ہیں، جو آپ کی بات پر دھیان دیں تو آپ خدا کے فرشتوں سے سرگوشی شروع کردیجیے۔ انسانی آبادیوں میں اگر آپ کو اپنے ہم نوا نہیں مل رہے ہیں تو آپ قبرستان کے سناٹے میں اپنا ہم نشین تلاش کرلیجیے۔

106

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (1903-1979) کی ایک کتاب ہے جس کا نام تنقیحات ہے۔ یہ موصوف کے مضامین کا مجموعہ ہے، جو پہلی بار 1939 میں شائع کیا گیا تھا۔ اس کتاب کے ایک مضمون کا عنوان ہے ''لارڈ لوتھین کا خطبہ''۔ لارڈ لوتھین (1882-1940) ایک انگریز تھے۔ جنوری 1938 میں انھوں نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں کانوکیشن ایڈریس دیا۔ مذکورہ مضمون میں اس ایڈریس کے کچھ حصے اردو میں ترجمہ کرکے نقل کیے گئے ہیں۔ جب میں نے پہلی بار اس مضمون کو پڑھا تو مجھے لارڈ لوتھین کے اس خطبے سے بڑی دلچسپی ہوئی۔ کیوں کہ اس میں بتایا گیا تھا کہ جدید یورپ میں اسلام کی تبلیغ کے زبردست امکانات ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تعلیم حاصل کرکے یورپ جائیں، اور اس امکان کو استعمال کریں۔

دلچسپی کی بنا پر میں نے چاہا کہ اس خطبے کو اصل انگریزی زبان میں حاصل کرکے پڑھوں۔ چنانچہ میں علی گڑھ گیا اور وہاں کی یونی ورسٹی لائبریری میں اس کو تلاش کیا۔ مگر یونی ورسٹی کے کتابی ذخیرہ میں یہ خطبہ موجود نہ تھا۔ بالآخر میں سرسید روم میں گیا کہ شاید وہاں مل جائے مگر وہاں بھی نہیں ملا۔

سرسید روم کے ذمہ دار نے بتایا کہ اس خطبے کی اصل کی ہمیں بھی تلاش تھی۔ ہم نے یونیورسٹی کے ہر شعبے میں اس کو ڈھونڈا مگر معلوم ہوا کہ وہ یونی ورسٹی کے ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔

مجھے یونی ورسٹی کی اس بے انتظامی پر بے حد افسوس ہوا۔ تاہم اس سے میں نے ایک سبق لیا۔ وہ یہ کہ جب میں اپنے اردو مضامین میں انگریزی یا کسی دوسری زبان کا کوئی اقتباس نقل کروں تو اس کے ترجمے کے ساتھ اس کا ضروری حصہ بھی اصل زبان میں نقل کردوں۔ چنانچہ الرسالہ کے اکثر مضامین میں میں نے یہی انداز اختیار کیا ہے۔

107

ایک عرب پروفیسر سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ آپ کی جو عربی کتابیں یا مضامین میں نے پڑھے ہیں، ان میں الاسلام یتحدی (اردو ورژن مذہب اور جدید چیلنج) فائق ہے، باقی سب اس کے تحت ہیں۔ میں نے کہا کہ ہمارے مشن کا اصل اظہار الاسلام یتحدی میں نہیں ہوا ہے، بلکہ دوسری کتابوں میں ہوا ہے۔ الاسلام یتحدی صرف اس مشن کی اعتباریت (credibility) ثابت کرنے کے لیے ہے، وہ خود مشن کا تعارف نہیں۔

میں نے کہا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے لاٹھی کو سانپ بنا دیا۔ اب کوئی شخص کہے کہ حضرت موسی نے نبوت ملنے کے بعد جو کچھ پیش کیا، ان میں عصا کا معجزہ سب پر فائق ہے، تورات اس کے تحت ہے، تو یہ صحیح نہیں۔ کیوں کہ آپ کی دعوت میں تورات اصل ہے اور عصا کا معجزہ ایک ضمنی (relative) حیثیت رکھتا ہے۔

الاسلام یتحدی (مذہب اور جدید چیلنج) ہمارے مشن کو قابل اعتبار ثابت کرنے کے لیے ہے، نہ کہ خود وہی ہمارا مشن ہے۔ مولانا عبد الباری ندوی (1886-1976) اس طرح کی چیزوں کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ ''رکانہ کی کشتی'' ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکانہ (بن عبد یزید) پہلوان نے چیلنج کیا اور آپ نے کشتی لڑ کر اس کو ہرا دیا (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر العسقلانی، جلد 2، صفحہ 413)۔ مگر رکانہ کی کشتی بظاہر ایک نمایاں واقعہ ہونے کے باوجود آپ کے

مشن کا اصل یا اس کا فوق (central aspect) نہیں۔ وہ آپ کے مشن کی ایک ضمنی ضرورت ہے، نہ کہ خود وہی آپ کا مشن ہے۔

108

حقیقتِ واقعہ کو نہ ماننا صرف اس قیمت پر ہوتا ہے کہ واقعہ اپنی جگہ پر بدستور باقی رہے، اور آدمی خود واقعات کی دنیا سے بہت دور ہو جائے۔ روس میں 1917 میں کمیونسٹ انقلاب آیا تو امریکا نے سولہ سال تک اس کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر اس کا کوئی فائدہ امریکہ کو نہ مل سکا۔ کلائڈ سینگر (Clyde Sanger) نے لکھا ہے کہ امریکا کو سوویت یونین کے تسلیم کرنے میں سولہ سال لگ گئے۔ اس سے اسٹالن کو یہ موقع ملا کہ وہ روسی عوام کے درمیان مغربی دنیا کے خلاف نفرت پیدا کرے اور ان کے گرد آہنی پردہ کھڑا کر سکے:

It took the United States 16 years to recognize the Soviet Union. This helped Stalin stimulate xenophobia among his people, and build an iron curtain around them.

کلائڈ سینگر نے مزید لکھا ہے کہ اگر اس زمین پر شیطان کی ایک سلطنت ہوتی تو وہ اپنے نوجوان لوگوں میں سے ایک بہترین شخص کو اس کا سفیر نامزد کرتا تاکہ وہ اس کے اوپر پوری نظر رکھ سکے۔

کلائڈ سنگر کا یہ تبصرہ نہایت سخت ہے۔ میں پسند نہیں کروں گا کہ میں ایسا سخت تبصرہ کروں۔ تاہم میری پوری زندگی کا مطالعہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ موجودہ دنیا میں کامیابی کی سب سے اہم شرط حقیقتِ واقعہ کا اعتراف ہے۔ جو شخص اپنے اندر یہ حوصلہ رکھتا ہو کہ وہ حقیقتِ واقعہ کا اعتراف کرے، خواہ وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف، وہی موجودہ دنیا میں کامیاب ہوگا۔ اور جو شخص حقیقتِ واقعہ کے اعتراف پر راضی نہ ہو اس کو اس سے زیادہ بُرے چیز پر راضی ہونا پڑتا ہے، اور وہ یہ کہ وہ کبھی اپنی منزل مقصود کو نہ پہنچ سکے۔

109

ڈاکٹر جان ڈَن (Dr. John Donne) سترھویں صدی عیسوی کا ایک ممتاز انگریزی شاعر

ہے۔وہ 1572 میں پیدا ہوااور 1631 میں اس کی وفات ہوئی۔اس کی قبر لندن میں ہے۔

انگریزی شاعری کا ایک دبستان فکر ہے، جس کو مابعد الطبیعاتی اسکول (Metaphysical school of poetry) کہا جاتا ہے۔جان ڈن اسی دبستان فکر کا ممتاز شاعر شمار کیا جاتا ہے۔وہ صوفیانہ مزاج کا آدمی تھا۔اس کا ایک شعر ہے:

Done is Undone

یعنی ڈن برباد ہو گیا۔تاہم صوتی اعتبار سے Done is Undone کا دوسرا لفظی مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ جو ہوا وہ نہیں ہوا۔دوسرے لفظوں میں یہ کہ جس چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ وہ ہو گیا، وہ بھی اب تک ناکردہ (undone) پڑا ہے۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں پر یہ بات پوری طرح صادق آتی ہے۔ان کے سب کام ابھی تک ناکردہ پڑے ہوئے ہیں۔مثلاً بین اقوامی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کا ترجمہ — موجودہ زمانے میں عملاً یہ ہوا کہ بڑے بڑے قابل لوگ سیاسی اور ہنگامی کاموں میں پڑے رہے۔اور نسبتاً چھوٹے اور کم تر درجہ کے لوگوں نے ترجمہ کا کام کیا۔مثلاً حدیث کی کتاب مشکاۃ المصابیح کا ترجمہ الحدیث (Al-Hadis) کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہوا ہے۔اس ترجمہ میں غیر ضروری قسم کا دیباچہ اور تشریح شامل کر کے اس کو خواہ مخواہ ضخیم بنا دیا گیا ہے۔نیز اس کی زبان نہایت poor ہے۔

کوئی اچھا انگریزی داں اس کو پڑھ کر مشکل ہی سے گہرا تاثر قبول کرسکتا ہے۔مسلمانوں کے اچھے انگریزی داں لوگ اس کام کو کرتے تو یہی کام کتنا زیادہ جاندار ہوتا۔محمد اقبال اور محمد علی کی انگریزی زبان اچھی تھی۔مگر محمد اقبال شاعری کرتے رہے، اور محمد علی نے اپنی ساری زندگی سیاسی ہنگاموں میں ضائع کردی۔

110

حضرت آدم علیہ السلام نے کاشت کا کام کیا۔حضرت نوح علیہ السلام نے بڑھئی کا کام کیا۔حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے زرہ بناتے تھے (الانبیاء، 21:80)۔حضرت ادریس

علیہ السلام نے کپڑا سینے کا کام کیا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے بکریاں چرانے کا کام کیا (القصص، 28:27-28)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک مدت تک چرواہی کا کام کیا ہے (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 2149)۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا عین اسلامی طریقہ ہے۔ تمام پیغمبروں نے ایسا ہی کیا ہے۔ ہاتھ سے کام کرکے اپنی روزی کمانا عزت کی چیز ہے، نہ کہ ذلت کی چیز جس کو کرتے ہوئے آدمی شرمائے۔ حدیث میں آیا ہے: مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللَّهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 2072)۔ یعنی کسی نے کھانا نہیں کھایا، جو بہتر ہو اس انسان سے جو اپنے ہاتھ کے عمل سے کھاتا ہے۔ اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کے عمل سے کھایا کرتے تھے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے: إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِف (مسند الشہاب القضاعی، حدیث نمبر 1072)۔ یعنی اللہ حرفت کے ذریعے روزی کمانے والے کو پسند کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہاتھ سے کام کرنے کو حقیر سمجھنا دورِ ملوکیت اور مسلمانوں کے دورِ زوال کی پیداوار ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اس کو بالکل بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا۔

111

قرآن میں زمین کے بارے میں ایک تو خَلَقَ الْأَرْضَ (41:9) کے الفاظ ہیں۔ یعنی اللہ نے زمین کو خلق (create) کیا۔ دوسری جگہ اس سلسلے میں یہ الفاظ ہیں: وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ (55:10)۔ یعنی اور زمین کو اس نے مخلوق کے لیے رکھ دیا۔ پہلی آیت سے مراد زمین کو وجود میں لانا ہے۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے زمین کو اس کے صحیح ترین مقام پر رکھا۔ اس کو انام (ذی حیات اشیا) کے عین مطابق بنایا۔

یہ آیت اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن خدا کی کتاب ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت کسی کو معلوم نہ تھا کہ ساری کائنات میں صرف زمین ہے، جو ذی حیات اشیا کے انتہائی مناسب حال بنائی

گئی ہے۔ زمین کی جسامت (diameter) اگر موجودہ جسامت کا نصف ہوتو اسکی قوتِ کشش اتنی کم ہوجائے گی کہ انسان اور اس کے مکانات زمین پر ٹھہر نہ سکیں۔ زمین کی جسامت اگر موجودہ جسامت کی دگنی ہوجائے تو اس کی قوتِ کشش اتنا بڑھ جائے گی کہ زمین پر چلنا پھرنا مشکل ہوجائے۔ اسی طرح سورج اور زمین کا فاصلہ اگر موجودہ فاصلہ کا دگنا ہوجائے تو زمین برف کی طرح ٹھنڈی ہوجائے۔ اور اگر سورج اور زمین کا فاصلہ آدھے کے بقدر کم ہوجائے تو زمین سورج کی گرمی سے جھلس اٹھے۔

یہی معاملہ دوسری چیزوں کا ہے۔ زمین پر پانی ہے جو کسی دوسرے کرہ پر موجود نہیں۔ زمین پر آکسیجن ہے جو اس طرح موزوں حالت میں اور کہیں نہیں پائی جاتی، وغیرہ وغیرہ۔

ذی حیات اشیا کے لیے زمین کی اس استثنائی موزونیت کا علم صرف زمانۂ جدید میں ہوسکا ہے۔ اس سے پہلے انسان اس بارے میں کچھ نہ جانتا تھا۔ ایسی حالت میں قرآن میں ڈیڑھ ہزار سال پہلے اس آیت کا ہونا ظاہر کرتا ہے کہ یہ خدائی کلام ہے۔

112

آخری زمانے میں حضرت مسیح کے نزول کے بارے میں جو روایات آئی ہیں ان میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ابو داؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، ثُمَّ يُتَوَفَّى (سنن ابو داؤد، حدیث نمبر 4324)۔ حضرت مسیح دنیا میں 40 سال رہیں گے۔ پھر ان کی وفات ہوگی۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَأَرْبَعِينَ سَنَةً، ثُمَّ يَمُوتُ (المنتظم فی التاریخ، جلد 2، صفحہ 39)۔ یعنی اور وہ دنیا میں 45 سال رہیں گے۔ پھر ان کی وفات ہوگی۔

بظاہر دونوں روایتوں میں فرق ہے۔ مگر یہ محض لفظی فرق ہے، نہ کہ حقیقی فرق۔ یہ ایک انداز کلام ہے جو ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔ شارحینِ حدیث نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ 40 سال والی روایت میں اوپر کا عدد حذف کر دیا گیا ہے۔ عربی زبان میں اور دوسری زبانوں میں یہ عام لسانی قاعدہ

ہے کہ کبھی کسر کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی اس کو حذف کر دیتے ہیں۔

اس طرح اور بھی بہت سی مثالیں روایات میں پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ ان کو روایت میں اختلاف سمجھتے ہیں، اور حدیث میں شبہ کرنے لگتے ہیں۔ حالاں کہ یہ صرف اندازِ کلام کی بات ہے، اور اندازِ کلام کا یہ طریقہ ہر زبان میں پایا جاتا ہے۔

113

انڈیا کے مشہور انگریزی صحافی مسٹر خشونت سنگھ (پیدائش 1915) نے لکھا ہے کہ میں ہندستان سے پاکستان گیا۔ جب ہمارا ہوائی جہاز لاہور کی فضا میں پہنچا تو جہاز میں اناؤنسر نے اعلان کیا کہ پاکستان میں شراب ممنوع ہے۔ کوئی مسافر شراب کی بوتل کے ساتھ پاکستان میں داخل نہیں ہوسکتا۔ آپ میں سے جس شخص کے پاس شراب ہو وہ اس کو جہاز کے عملے کے پاس جمع کر دے۔ مسٹر خشونت سنگھ نے لکھا ہے کہ میرے پاس شراب کی ایک بوتل تھی۔ یہ بوتل میں نے حسبِ اعلان ہوائی جہاز کے عملے کے حوالے کر دیا۔ مگر اس کے بعد جب میں لاہور کے اندر داخل ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ بلیک مارکیٹ میں شراب نہایت فراوانی کے ساتھ بک رہی ہے، اور میں بلیک سے جتنی چاہے شراب خرید سکتا ہوں۔ (20 مارچ 2014 کو مسٹر خشونت سنگھ کا انتقال ہو چکا ہے)۔

مولانا غیاث الدین رحمانی سے بات کرتے ہوئے میں نے کہا کہ موجودہ زمانے میں جن مسلم ملکوں میں شراب بند کی گئی ہے، وہاں اس کا یہی انجام ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے لوگوں کا ذہن بنایا اس کے بعد شراب کی حرمت کا اعلان کیا (مسند احمد، حدیث نمبر 8620)۔ اسی طرح موجودہ زمانے میں پہلے اس کے موافق ذہنی فضا بنانی پڑے گی۔ محض قانون کے زور پر لوگوں کو شراب نوشی سے روکا نہیں جاسکتا۔

انھوں نے کہا کہ مگر یہ طریقہ ہم کو اسلاف کے یہاں نہیں ملتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک ہزار سال تک قانون ہی کے زور پر شراب کو روکا جاتا رہا۔ ایسا نہیں کیا گیا کہ پہلے ذہنی فضا بنائی جائے اس کے بعد شراب پر پابندی لگائی جائے۔

میں نے کہا پچھلے زمانے پر موجودہ زمانہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ اس لیے کہ پچھلا زمانہ وہ ہے، جب کہ اسلامی روایات کا تسلسل برابر جاری تھا۔ مگر موجودہ زمانے میں اسلامی روایات کا تسلسل یکسر ٹوٹ گیا ہے۔ اب دوبارہ وہی ضرورت پیش آ گئی ہے، جو رسول اللہ کے زمانے میں تھی۔ اب ہمیں دوبارہ اسلامی روایات قائم کرنی پڑیں گی، اس کے بعد ہی قانون کا نفاذ مفید ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ قانون ہمیشہ روایات کے اوپر نافذ ہوتا ہے، اور موجودہ زمانے میں شراب بندی کے قانون کے لیے روایات کا زور موجود نہیں ہے۔

114

رشوت بالاتفاق حرام ہے۔ قتادہ (وفات 118ھ) نے کہا کہ صحابی رسول ابی بن کعب (وفات 30ھ) نے فرمایا کہ رشوت عقل مند کو بیوقوف بناتی ہے، اور حکیم کی آنکھ کو اندھا کر دیتی ہے (قَالَ قَتَادَةُ: قَالَ كَعْبٌ: الرِّشْوَةُ تُسَفِّهُ الْحَلِيمَ، وَتُعْمِي عَيْنَ الْحَكِيمِ) المغنی لابن قدامہ، جلد 10، صفحہ 69۔

رشوت ایک ایسا مال ہے، جو آدمی حق کے بغیر لیتا ہے، اور جب آدمی واقعی حق کے بغیر کوئی چیز لے تو عین اسی وقت وہ اپنے آپ کو نیچے گرا لیتا ہے۔ وہ اعلیٰ اخلاق کی سطح پر رہ کر کام نہیں کرسکتا۔ اونچا کام کرنے والے کے اندر اونچا ذہن پرورش پاتا ہے، اور پست کام کرنے والے کے اندر پست ذہن پیدا ہوتا ہے۔ رشوت بہ ظاہر ایک مالی معاملہ ہے، مگر آدمی جب اس میں پڑ جاتا ہے تو اس کی عقل و بصیرت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی ہے۔ اخلاقی گراوٹ کا فعل کرتے ہی وہ اپنے آپ کو ذہنی اور فکری حیثیت سے بھی گرا لیتا ہے۔

آدمی اپنے کپڑے صاف رکھنے کے لیے اس کو گندگی سے بچاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی عقل و بصیرت کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو برے اخلاق سے بچائے۔ برے اخلاق میں ملوث ہونے کے بعد وہ اپنی عقل کو صحیح حالت میں باقی نہیں رکھ سکتا۔

115

حیدرآباد کے ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ حیدرآباد میں ایک ہندو نے اسلام قبول کیا ہے۔ انھوں نے اس نومسلم سے پوچھا کہ تم نے اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام کیوں اختیار کیا۔ نومسلم نے چند باتیں بتائیں جن میں ایک یہ تھی۔ انھوں نے کہا کہ میں مسلم محلہ میں رہتا ہوں۔ وہاں ایک مسجد ہے۔ میں دیکھتا تھا کہ جو مسلمان بھگوان کی عبادت کے لیے آتا ہے وہ وضو کرتا ہے اور پھر نماز پڑھتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اس کو خدا تک پہنچنے کے لیے کسی درمیانی واسطے کی ضرورت نہیں۔ اس کے برعکس، مندروں میں جب میں جاتا تھا تو میں دیکھتا تھا کہ وہاں مندر کے مہنت کا ذریعہ اختیار کیے بغیر کوئی شخص پوجا نہیں کرسکتا۔

یہ بات بہ ظاہر سادہ سی ہے مگر نہایت اہم ہے۔ انسان فطری طور پر خدا کو پانا چاہتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دینا چاہتا ہے۔ مگر دوسرے مذاہب میں بگاڑ کی وجہ سے یہ حال ہو گیا ہے کہ آدمی جب مندر اور چرچ میں جاتا ہے تو وہاں وہ پاتا ہے کہ کلرجی (clergy) کے بغیر وہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا، اور نہ اس کے بغیر وہ خدا کی عبادت کرسکتا۔ اس طرح اس کو اپنے جذبۂ پرستش کی پوری تسکین حاصل نہیں ہوتی۔ اسلام میں یہ صورت حال نہیں۔ اسلام میں ہر آدمی براہِ راست خدا کو پکار سکتا ہے۔ وہ براہِ راست خدا کی عبادت کرسکتا ہے۔

اس ضمن میں ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے، جس کا تعلق موجودہ زمانے سے ہے۔ موجودہ زمانہ آزادی اور جمہوریت کا زمانہ ہے۔ موجودہ زمانے میں ہر آدمی اپنے آپ کو دوسرے کے برابر سمجھتا ہے۔ اس زمانی مزاج کی وجہ سے لوگوں کو یہ بات پسند نہیں آتی ہے کہ کوئی طبقہ ان سے اوپر ہو۔ لوگ جس مقام پر خود ہیں، وہیں وہ کلرجی کو بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات آج صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اس طرح اسلام انسانی فطرت کے مطابق بھی ہو جاتا ہے، اور وقت کے تقاضے کے مطابق بھی۔

116

اسلامک انسٹی ٹیوٹ، تغلق آباد، میں ایک میٹنگ تھی۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ میٹنگ

میں انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر اوصاف علی صاحب نے ادارے کا تعارف کرایا۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے سوال کیا کہ آپ کے یہاں جو افراد ریسرچ کا کام کررہے ہیں، ان کو آپ کیا سہولیات دیتے ہیں۔ ڈاکٹر اوصاف علی صاحب نے جواب دیا کہ ہم اپنے آدمیوں کو وہی سہولتیں دیتے ہیں، جو یو جی سی کی طرف سے مقرر ہیں۔ مزید یہ کہ ہم ان کو اپنے کیمپس میں رہائش گاہ بھی فراہم کرتے ہیں۔

سوال کرنے والے نے کہا کہ یہ گویا یہاں کے افراد کے لیے مزید ایک attraction ہے۔ ڈاکٹر اوصاف علی صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں، مگر وہ ہمارے لیے distraction بن رہا ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ ایک مرتبہ رہائش گاہ پر قبضہ کرلیتے ہیں، وہ پھر اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ان سے رہائش گاہ کو خالی کرانے کے لیے ہمیں کورٹ جانا پڑتا ہے۔

تغلق آباد کا یہ ادارہ خالص مسلم ادارہ ہے۔ اس میں کام کرنے والے بھی سب کے سب مسلم ہیں۔ اس کے باوجود ذمے داران اور کارکنوں کے درمیان اس طرح کے جھگڑے پائے جاتے ہیں۔ اس قسم کے جھگڑے اگر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ہوں تو فوراً اس کو تعصب کا نام دے دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگ مذکورہ مسئلے کے بارے میں کیا کہیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا میں تمام جھگڑے انٹرسٹ (interest) کے جھگڑے ہیں۔ بظاہر کوئی شخص ایک قسم کی زبان استعمال کررہا ہے اور کوئی شخص دوسری قسم کی زبان۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے سب کا کیس ایک ہی کیس ہے، اور وہ وہی ہے، جس کو ''انٹرسٹ'' کہا جاتا ہے۔

اس دنیا میں کامیابی کے لیے سب سے ضروری چیز حقیقت پسندی ہے۔ مگر موجودہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ کسی بھی معاملے میں حقیقت پسندانہ انداز سے رائے نہیں قائم کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کا ہر اقدام ناکامی کا شکار ہوتا ہے۔

117

ستمبر 1982 میں میں نے شیخ سلیمان القائد (لیبیا) کے ساتھ حج کے لیے سعودی عرب کا

سفر کیا تھا۔ اس دوران مدینہ کا سفر ہوا تو مدینہ یونیورسٹی کے طلبہ کے ساتھ ایک میٹنگ ہوئی، جس میں زیادہ تر ہندستانی طلبہ اور کچھ عرب طلبہ شریک تھے۔

گفتگو کے دوران میں نے کہا کہ موجودہ زمانے میں جو لوگ حکومت اسلامی قائم کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں، ان کی تحریک بالفرض کامیاب ہوجائے تب بھی وہ ناکام رہے گی۔ کیوں کہ حکومت کو چلانے کے لیے وہ تقویٰ کافی نہیں ہے، جو مسجد کی امامت یا مدرسہ کی معلمی کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔ حکومت کا ادارہ چلانے کے لیے جس صفت کی ضرورت ہے، وہ ہے تقویٰ پلس دانش مندی کی صفت، اور یہ صفت آج کسی مسلم رہنما کے اندر موجود نہیں۔

اس پر ایک عرب نوجوان نے اعتراض کیا۔ انھوں نے اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی کے اکابر کا نام لیا، اور کہا کیا آپ کا خیال ہے کہ ان کے اندر تقویٰ موجود نہیں۔ میں نے کہا کہ تقویٰ ہے، مگر وہ عملی حکمت (practical wisdom) سے خالی ہے۔ وہ نوجوان اس کو سمجھ نہیں پائے، اور ناراض ہوگئے۔

مجھے فوری طور پر ندامت ہوئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں نے حکمت کے خلاف ایک بات کہہ دی۔ مگر بار بار کے تجربے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت میری زبان سے جو بات نکلی تھی وہ عین صحیح بات تھی۔ موجودہ زمانے میں ہمارے تقریباً تمام قائدین کا یہی حال ہو رہا ہے کہ ان پاس تقویٰ کا سرمایا تھا، مگر وہ پریکٹکل وزڈم سے خالی تھے۔ اس کے باوجود وہ بڑے بڑے میدانوں میں کود پڑے اور بالآخر سراسر ناکام رہے۔ (اس سفر کا مطالعہ کرنے کے لیے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب سفرنامہ غیر ملکی اسفار جلد اول صفحہ 50)۔

118

انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ جو شخص حکومت کو چیلنج کرے وہ فوراً عوام کے اندر مقبولیت حاصل کرلیتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ یہ عوامی مقبولیت ان کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ یہی معاملہ مسلم ورلڈ میں بھی پیش آیا۔ چنانچہ واقعہ بتاتا ہے کہ بہت سے مسلم دینی رہنما اس قسم کی تحریکوں

کے ذریعے عوام کے اندر مقبول ہو گئے۔ مگر عوامی مقبولیت حاصل کرتے ہی وہ بدل گئے۔

اب غور کیجیے کہ جو رہنما عوامی مقبولیت کے مقابلے میں بااصول بن کر قائم نہ رہ سکا، وہ اقتدار کے مقابلہ میں کیسے قائم رہے گا۔

119

غالباً 1970 میں مجھے تاج محل دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تاج محل کو دیکھنے سے پہلے تاج محل کے بارے میں بہت سے مضامین پڑھے تھے۔ ان مضامین میں تاج محل مجھے بہت عظیم محسوس ہوتا تھا۔ مگر جب میں نے تاج محل کو دیکھا تو وہ اس سے بہت کم تھا جو میں نے اپنے ذہن میں سمجھ رکھا تھا۔

یہی حال تمام انسانی مصنوعات کا ہے۔ انسانی ساخت کی کسی چیز کے بارے میں اسے دیکھنے سے پہلے جو میری رائے تھی وہ اس کو دیکھنے کے بعد باقی نہ رہی۔ ہر انسانی چیز دیکھتے ہی اس سے کم نظر آئی، جو دیکھنے سے پہلے محسوس ہوتی تھی۔

مگر فطرت کے مناظر کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ کوئی فطری واقعہ اس سے بہت زیادہ عظیم ہے، جو دیکھنے سے پہلے میں سن کر یا پڑھ کر سمجھ رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فطرت کا ہر واقعہ انتہائی حد تک عظیم اور حسین ہے، انسانی الفاظ اس کو پوری طرح بیان نہیں کر پاتے۔ یہاں ہر بولا ہوا لفظ اصل حقیقت سے بہت کم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرت دیکھنے میں اس سے زیادہ نظر آتی ہے جتنا کہ وہ پڑھنے یا سننے میں محسوس ہو رہی تھی۔

120

بہت سی باتیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب کہ آدمی کا دل زندہ ہو اور اس کا شعور بیدار ہو۔ مسلمان موجودہ زمانے میں ایک ایسی قوم بن گئے ہیں، جو دل و دماغ کی زندگی سے محروم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان بہت سی باتوں کو سمجھ نہیں پاتے اور بدقسمتی سے جن باتوں کو وہ نہیں سمجھتے وہی وہ باتیں ہیں جو زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ مثلاً کبھی نہ کرنے کا نام کرنا ہوتا ہے۔ کبھی بولنا اس کا نام ہوتا ہے کہ آدمی چپ رہے، وغیرہ۔ یہ بلاشبہ زندگی کی سب سے زیادہ گہری حقیقت ہے۔ مگر وہ

ایک ایسی چیز ہے، جس کے لیے بہت زیادہ گہری شخصیت درکار ہے۔

آدمی ایک ایسی مخلوق ہے جو لازماً مشغول رہنا چاہتا ہے۔ وہ عین اپنی فطرت کے تحت ہر وقت کچھ نہ کچھ کرنے پر مجبور ہے۔ اس لیے نہ کرنے پر وہی شخص راضی ہوسکتا ہے جس کے پاس نہ کرنے کے وقت بھی کچھ کرنے کے لیے ہو۔ وہی انسان چپ رہ سکتا ہے جو خاموشی کے وقت بھی اپنے پاس بولنے کا سامان رکھتا ہو۔

الرسالہ میں اس قسم کی باتیں کہی جاتی ہیں تو موجودہ مسلمانوں کو وہ معمہ (mysterious) معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ مسلمان اندر سے خالی (preoccupied) نہ ہوتے بلکہ ان کے اندر کا وجود خدا کی معرفت سے ایک زندہ وجود بن چکا ہوتا تو انھیں یہ باتیں معمہ نہ معلوم ہوتی۔

اس وقت وہ جان لیتے کہ آدمی جب چپ ہوتا ہے تو وہ اپنے خدا سے سرگوشیاں کرنے لگتا ہے۔ باہر کی دنیا میں جب بظاہر اس کے قدم رک جاتے ہیں تو وہ اپنے اندر ہی اندر مارچ کرنے لگتا ہے۔ خارجی تدبیروں سے جب وہ منقطع ہوجاتا ہے تو اس کا رشتہ قوت کے اس لازوال سرچشمے سے جڑ جاتا ہے جو کسی واقعے کو ظہور میں لانے کے لیے خارجی تدبیروں کا محتاج نہیں۔

121

قاسم رضوی (1902-1970) ''آزاد حیدرآباد'' کے علم بردار تھے۔ وہ بہت زور وشور کے ساتھ آزاد حیدرآباد کی تحریک چلا رہے تھے۔ کسی ہندو سیاست داں نے ان سے کہا کہ آپ حیدرآباد کو آزاد حیدرآباد کیسے بنائیں گے جب کہ آپ چاروں طرف انڈین یونین سے گھرے ہوئے ہیں۔ قاسم رضوی نے جواب دیا:

''ہم نہیں گھرے ہوئے ہیں، تم گھرے ہوئے ہو''

پچھلے ایک سو سال سے بھی زیادہ عرصے سے مسلمان اسی قسم کی لفظ بازیوں میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک کے بعد ایک ان کے درمیان ایسا لیڈر اٹھتا ہے جو خوب صورت الفاظ بول کر ان کے ذہن کو خراب کرتا رہتا ہے۔ میرے علم میں کوئی بھی لیڈر نہیں جس نے موجودہ زمانے میں مسلمانوں کو حقیقت پسندی کا سبق دیا ہو۔

اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ اس قسم کے جھوٹے الفاظ بولنے والے لیڈروں کو مسلمانوں میں ساتھ دینے والے بھی جوق در جوق مل جاتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ مسلمانوں کی جھوٹے فخر کی نفسیات ہے۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا مزاج، ایک لفظ میں، جھوٹے فخر کا مزاج ہے۔ مذکورہ قسم کی باتوں سے جھوٹے فخر کے مزاج کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے مسلمان جس کو ایسا نعرہ لگاتے ہوئے دیکھتے ہیں اس کے پیچھے دوڑ پڑتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں سب سے زیادہ مقبولیت اقبال کو حاصل ہوئی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اقبال کی شاعری فخر و مباہات کی شاعری ہے۔ اقبال کی شاعری میں مسلمانوں کے جھوٹے فخر کو زبردست غذا ملتی ہے۔ اس لیے ہر چھوٹا بڑا آدمی اس کو گنگناتا ہے۔ اقبال کی یہ شاعرانہ بلند پروازی بھی کیسی عجیب ہے کہ جو قوم اپنے زوال یافتہ ذہنیت کے نتیجے میں مقتدی بننے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو چکی تھی اس کو انھوں نے الفاظ کی خود ساختہ دنیا میں امامت کے مقام پر بٹھا دیا:

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

122

سموئل جانسن (Samuel Johnson [1709-1784]) کا قول ہے کہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مشورہ کا خوش دلی کے ساتھ استقبال کیا جائے۔ جو لوگ سب سے زیادہ مشورہ کے حاجت مند ہوں وہ سب سے کم اسے پسند کرتے ہیں:

Advice is seldom welcome. Those who need it most, like it least.

آدمی جب خود سوچتا ہے تو وہ اپنے جذبات کے زیر اثر سوچتا ہے۔ جب کہ مشورہ دینے والا ان جذبات سے خالی ہونے کی وجہ سے کم از کم دوسرے شخص کے بارے میں غیر جذباتی انداز میں سوچتا ہے۔ اس لیے مشورہ دینے والے کی رائے اکثر صحیح ہونے کے باوجود طالب مشورہ کے ذوق کے خلاف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

آدمی کے اندر یا تو یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ جذبات سے اوپر اٹھ کر سوچ سکے۔ یا یہ

صلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ مشورہ دینے والے کے مشورہ کو کھلے ذہن کے ساتھ دیکھ سکے۔ جس آدمی کے اندر دونوں میں سے کوئی بات نہ ہو اس کے لیے اس دنیا میں بربادی کے سوا اور کوئی چیز مقدر نہیں۔

123

میرے مزاج میں بعض عجیب باتیں ہیں۔ یہ باتیں بچپن سے پائی جاتی ہیں۔ میں ہر چیز کو خود جاننا چاہتا ہوں۔ میں اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ میں ''گلاس'' کو صرف اس گلاس کہتا ہوں کہ میں نے خود دریافت کیا ہے کہ یہ گلاس ہے۔ میں کسی چیز کو صرف اس لیے نہیں مانتا کہ لوگ اس کو ایسا اور ایسا مانتے ہیں۔ اس سلسلے میں میری زندگی کے عجیب عجیب واقعات ہیں۔

غالباً 1960 کی بات ہے۔ میں اپنے وطن (بڈھریا) میں تھا۔ اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا۔ میں کچھ دیر کے لیے وہاں آیا تھا، اور پھر مجھے ریلوے اسٹیشن (پھریہا) سے ٹرین پکڑ کر اعظم گڑھ جانا تھا۔ اکیلا ہونے کی وجہ سے مجھے آزادی تھی کہ جو چاہوں کروں۔ میں نے دیکھا کہ ایک طرف ارنڈ کے کچھ بیج پڑے ہوئے ہیں۔ میں نے سنا تھا کہ ارنڈ دست آور ہوتا ہے۔ مگر میں اپنے ذوق کے تحت اس پر راضی نہ تھا کہ صرف سن کر اسے مان لوں۔ چنانچہ میں نے ارنڈ کا چھلکا اتار کر اسے کھانا شروع کر دیا، اور اس طرح بہت سی ارنڈ کھا گیا۔ اس کے بعد میں بڈھریا سے روانہ ہوا کہ پھریہا کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر ٹرین پکڑوں۔

پھریہا ریلوے اسٹیشن ہمارے گھر سے تقریباً تین کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ میں نے ایک کیلومیٹر کا راستہ طے کیا تھا کہ پیٹ میں مروڑ شروع ہوئی۔ اس کے بعد مسلسل دست آنے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ میں کمزور ہو کر گر پڑا، اور اس قابل نہ رہا کہ ریلوے اسٹیشن پہنچ سکوں۔ مگر حسن اتفاق سے اس وقت ہمارا ملازم سردھن اہیر میرے ساتھ موجود تھا۔ وہ مجھے کسی طرح پھریہا ریلوے اسٹیشن تک لے گیا، اور ٹرین پر سوار ہو کر ہم اعظم گڑھ پہنچے۔ اپنے اس مزاج کی وجہ سے میں نے اپنی زندگی میں بے شمار مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ مگر انھیں مصیبتوں کا یہ نتیجہ ہے کہ میں خدا کے فضل سے اپنے آپ کو ایک ایسا انسان سمجھتا ہوں، جو خود اپنی دریافت کردہ دنیا پر کھڑا ہوا ہو۔

مولانا وحید الدین خاں کی کتابیں رعایتی قیمت پر دستیاب ہیں

₹ 30	Aakhri Safar	آخری کا سفر
₹ 10	Aakhirat ka Safar	آخرت کا سفر
₹ 50	Ahya-e-Islam	احیائے اسلام
₹ 60	Al-Islam	الاسلام
₹ 70	Al-Rabbaniah	الربانیہ
₹ 70	Amne-Aalam	امن عالم
₹ 60	Aqliat-e-Islam	عقلیات اسلام
₹ 100	Asbaq-e-Tarikh	اسباقِ تاریخ
₹ 140	Asfar-e-Hind	اسفارِ ہند
₹ 10	Asma e Husna	اسمائے حسنیٰ
₹ 60	Azmat-e-Islam	عظمتِ اسلام
₹ 60	Azmat-e-Islam	عظمتِ اسلام - بُک لٹ
₹ 20	Azmat-e-Momin	عظمتِ مومن - بُک لٹ
₹ 60	Azmat-e-Qur'an	عظمتِ قرآن
₹ 30	Azmat-e-Sahaba	عظمتِ صحابہ
₹ 50	Dawat-e-Haq	دعوتِ حق
₹ 70	Dawat-e-Islam	دعوتِ اسلام
₹ 10	Dawat Ilallah	دعوت الی اللہ
₹ 30	Deen ki Siyasi Taabeer	دین کی سیاسی تعبیر
₹ 20	Deen Kiya Hai?	دین کیا ہے؟
₹ 100	Deen wa Shari'at	دین وشریعت
₹ 90	Deen-e-Insaniyat	دینِ انسانیت
₹ 100	Deen-e-Kamil	دینِ کامل
₹ 30	Deeni Taaleem	دینی تعلیم
₹ 100	Diary Vol. I 83-84	ڈائری (حصہ اول)
₹ 120	Diary 89-90	ڈائری - 1989-90
₹ 100	Diary 91-92	ڈائری - 91-92
₹ 20	Fikr-e-Islami	فکر اسلامی

₹ 40	Hadees-e-Rasool	حدیثِ رسول
₹ 20	Hajj ka Paigam	حج کا پیغام
₹ 40	Hal Yahan Hai	حل یہاں ہے
₹ 30	Haqeeqat Ki Talaash	حقیقت کی تلاش
₹ 50	Haqeeqat-e-Hajj	حقیقتِ حج
₹ 10	Haqeeqat-e-Tawhid	حقیقتِ توحید - بُک لیٹ
₹ 100	Hikmat-e-Islam	حکمتِ اسلام
₹ 90	Hind-Pak Diary	ہند۔پاک ڈائری
₹ 10	Hindustan Aazadi Ke Baad	ہندستان آزادی کے بعد
₹ 70	Hindustani Musalman	ہندستانی مسلمان
₹ 30	Imani Taqat	ایمان کی طاقت
₹ 60	Insaan ki Manzil	انسان کی منزل
₹ 60	Islam aur Asre Hazir	اسلام اور عصرِ حاضر
₹ 50	Islam Daur-e-Jadid Ka Khaliq	اسلام دورِ جدید کا خالق
₹ 30	Islam Deen-e-Fitrat	اسلام دینِ فطرت
₹ 10	Islam Ek Azeem Jad-o-Jahad	اسلام ایک عظیم جدوجہد
₹ 10	Islam Ka Taaruf	اسلام کا تعارف
₹ 30	Islam Kiya Hai?	اسلام کیا ہے؟
₹ 90	Islam: Ek Ta'aruf	اسلام: ایک تعارف
₹ 30	Islami Dawat	اسلامی دعوت
₹ 10	Islami Jihad	اسلامی جہاد
₹ 60	Islami Taalimaat	اسلامی تعلیمات
₹ 60	Islami Zindagi	اسلامی زندگی
₹ 30	Ittehad-e-Millat	اتحادِ ملّت
₹ 230	Izhaar-e-Deen	اظہارِ دین
₹ 80	Karwan-e-Millat	کاروانِ ملّت
₹ 30	Khaleej-e-Diary	خلیج ڈائری
₹ 30	Khoda aur Insaan	خدا اور انسان

₹ 10	Manzil Ki Taraf	منزل کی طرف
₹ 10	Maqsad-e-Hayat	مقصدِ حیات
₹ 60	Mazameen-e-Islam	مضامینِ اسلام
₹ 70	Mewat Ka Safar	میوات کا سفر
₹ 70	Mutala-e-Seerat	مطالعہ سیرت
₹ 20	Mutala-e-Seerat	مطالعہ سیرت - بُک لیٹ
₹ 30	Nar-e-Jahannam	نارِ جہنم
₹ 80	Nashri Taqriren	نشری تقریریں
₹ 30	Iama aur Daure Jadid	علماء اور دورِ جدید
₹ 10	Paighambar-e-Islam	پیغمبرِ اسلام
₹ 80	Qalallah Qallar Rasool	قال اللہ، قال الرسول
₹ 30	Qiyadat Nama	قیادت نامہ
₹ 10	Qiyamat ka Alarm	قیامت کا الارم
₹ 30	Qur'an Ka Matloob Insan	قرآن کا مطلوب انسان
₹ 60	Rah-e-Amal	راہِ عمل
₹ 30	Rahen Band Nahin	راہیں بند نہیں
₹ 30	Rahnuma-e-Hayat	رہنمائے حیات (کتابچہ)
₹ 70	Rahnuma-e-Hayat	رہنمائے حیات
₹ 20	Roshan Mustaqbil	روشن مستقبل
₹ 30	Sabaq Aamoz Waqiat	سبق آموز واقعات
₹ 10	Sachcha Rasta	سچّا راستہ
₹ 50	Safarnama Spain wa Falasteen	سفرنامہ اسپین و فلسطین
₹ 80	Safar-e-Hayat	سفرِ حیات
₹ 30	Saum-e-Ramzan	صومِ رمضان
₹ 70	Shatme Rasool Ka Masla	شتمِ رسول کا مسئلہ
₹ 70	Sirat-e-Mustaqeem	صراطِ مستقیم
₹ 30	Socialism: Ek Ghair Islami Nazaria	سوشلزم: ایک غیر اسلامی نظریہ

₹ 60	Socialism Aur Islam	سوشلزم اور اسلام
₹ 10	Taareekh Dawat-e-Haq	تاریخ دعوتِ حق
₹ 20	Taaruf-e-Islam	تعارف اسلام
₹ 30	Tablighi Tahreek	تبلیغی تحریک
₹ 40	Tajdeed-e-Deen	تجدید دین
₹ 10	Talaq Islam Mein	طلاق اسلام میں
₹ 90	Tameer-e-Hayat	تعمیرِ حیات
₹ 70	Tameer-e-Insaniyat	تعمیرِ انسانیت
₹ 30	Tameer-e-Millat	تعمیرِ ملّت
₹ 30	Tareekh Ka Sabaq	تاریخ کا سبق
₹ 100	Tasweer-e-Millat	تصویرِ ملّت
₹ 40	Tarjuma-e-Quran	ترجمہ قرآن
₹ 10	Tazkiya-e-Nafs	تزکیہ نفس
₹ 30	Ummahat-ul-Mumeneen	امہاتُ المؤمنین
₹ 30	Zalzal-e-Qiyamat	زلزلہ قیامت
₹ 60	Zuhoor-e-Islam	ظہورِ اسلام
₹ 80	Arabic version of God Arises	الاسلام یتحدی
₹ 40	Tarbiyat-e-Aulad	تربیتِ اولاد
₹ 10	Mansoobaband Amal	منصوبہ بند عمل
₹ 100	Sawal Wa Jawab	سوال وجواب
₹ 50	Marxism: Tareekh Jisko Radd Kar Chuki Hai	مارکسزم: تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
₹ 80	Masa'le Ejtehaad	مسائل اجتہاد
₹ 20	Islam Pandrahwin Sadi Mein	اسلام پندرہویں صدی میں
₹ 30	Taameer Ki Taraf	تعمیر کی طرف

Date of Posting 10th and 11th of advance month
Published on the 1st of every month
Posted at NDPSO

Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2018-20
RNI 28822/76
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2019-20

دعوت اور معرفت

Call: 011 41827083 sales@goodwordbooks.com